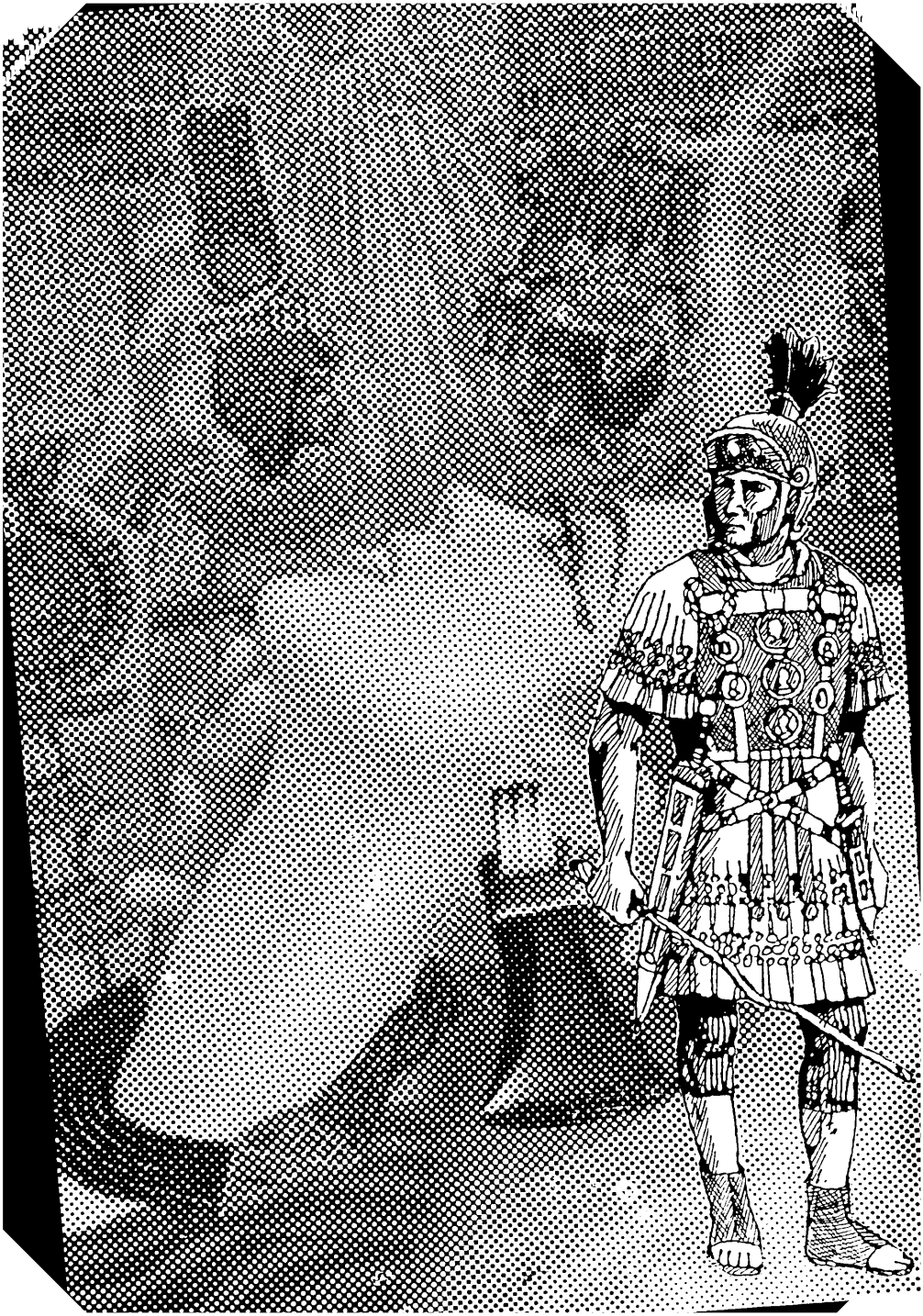

فرش پر حسین اور دبیز قالین بچھا تھا۔ جس کے ایک سرے پر خوب صورت اور نازک سی عورت لیٹی تھی۔ اس وقت کمرے میں سوائے ایک طاقت ور اور لمبے تڑنگے غلام کے کوئی نہیں تھا۔ اس کا سیاہ جسم چمک رہا تھا اور رگ رگ سے جیسے توانائی اُبلی پڑ رہی تھی۔ وہ غلاموں کی اس قسم سے تھا... جو اپنے آقاؤں کے حکم کی بے دریغ تعمیل کرتے ہیں۔ یہ سوچے بغیر کہ آقا نے اپنا ہی گلا کاٹ لینے کا حکم دیا ہو مگر اس وقت اس کی مالکہ نے جو حکم دیا تھا' اسے سن کر وہ پریشان سے زیادہ حیران ہوا تھا۔

"تم نے سنا نہیں۔" عورت کی بارُعب آواز گونجی۔

"ملکہ عالم!" غلام نے تمام تر ہمت کو مجتمع کر کے کہا "غلام اس حکم کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہے۔"

"تمہاری یہ جرأت..." عورت غضب ناک ہو کر اٹھی تو غلام تھرا کر اس کے سامنے منہ کے بل گر گیا۔

"ملکہ عالم۔ آپ کو غلام کی زندگی پر اختیار ہے لیکن جو حکم آپ نے دیا ہے' میں اس کی تعمیل کروں گا تو خود آپ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"تمہارا کام حکم کی تعمیل ہے۔" نہ جانے کیوں عورت کا غصہ کسی قدر سرد ہو گیا تھا۔ ورنہ اس قسم کی گستاخی کرنے والے زیادہ دیر زندہ نہیں رہتے تھے۔ وہ دوبارہ قالین پہ لیٹ گئی "ہمیں اس میں لپیٹ دو۔"

اس دفعہ غلام حکم کی تعمیل کے لیے آگے بڑھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی اپنی زندگی کا انحصار اس پر ہے کہ اس عورت کو مطلوبہ مقام تک بہ حفاظت پہنچا دے۔ اس نے نرمی سے

دخترِ نیل

کاشف زبیر

فرعون کے دیس مصر میں آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل ایک ایسی لڑکی نے جنم لیا جس کے بارے میں شاید اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ تاریخ عالم میں ایسا نمایاں مقام حاصل کرے گی جو کم کم ہی کسی کے حصے میں آتا ہے۔ وہ پیدائشی فرعونہ تھی۔ باپ کے مرنے پر مصر کی حکمران بنی اور اس دور کی سب سے طاقتور سلطنت روم کے لیے ایک مسئلہ بن گئی۔ روم کے دو طاقتور ترین حکمرانوں سے شادی کی اور جب تک بھی زندہ رہی پورے شاہی جاہ و جلال کے ساتھ زندہ رہی۔ اس کے دشمنوں کو اس پر فتابو پا کر سزا دینے کی حسرت ہی رہی۔

تاریخ عالم کے ایک غیر معمولی کردار ملکۂ مصر قلوپطرہ کی سرگزشت

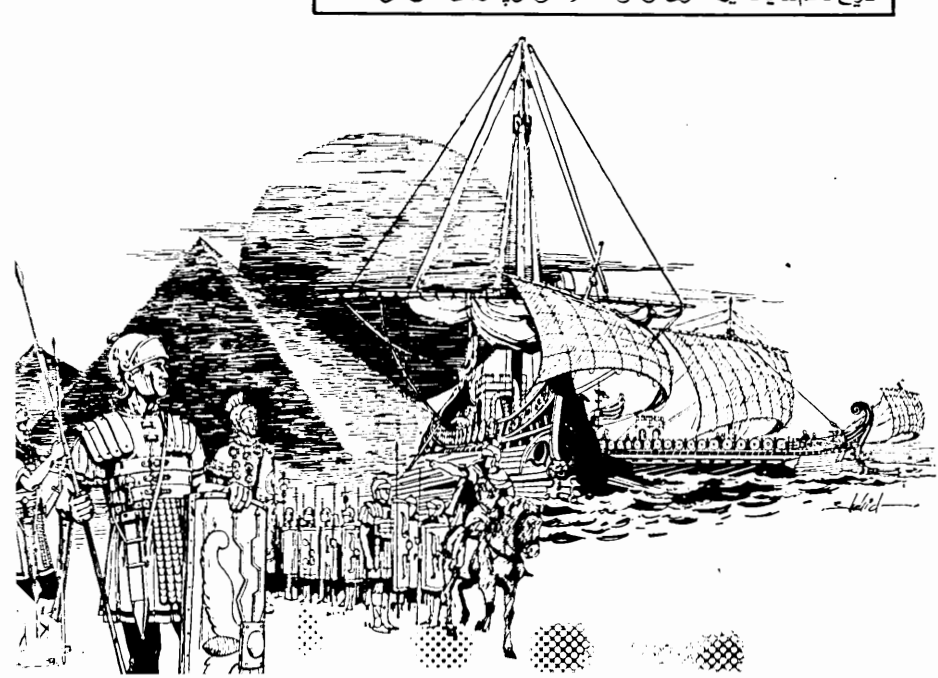

قالین لپیٹنا شروع کیا۔ جس کے اندر اس کی نرم و نازک مالک تھی لیکن اس کا حوصلہ سختی میں سنگلاخ پہاڑوں کو بھی شرماتا تھا۔ غلام نے قالین لپیٹ کر اس کا رول بنالیا تھا اور اب باہر سے دیکھ کر یہ کہنا مشکل تھا کہ اس کے اندر کوئی موجود ہے۔ ویسے بھی عورت مختصر جسامت کی حامل تھی۔ وہ عورت اور اس کا جاں نثار غلام اپالوڈورس ایک چھوٹی کشتی میں تھے۔ اپالو نے باہر نکل کر چپو بردار غلاموں کو چپو چلانے کا اشارہ کیا۔

بظاہر یہ عام سی کشتی تھی لیکن اس میں وہ تاریخ ساز ہستی تھی جس نے اپنے عزم و حوصلے سے آنے والے تاریخ دانوں کو از حد متاثر کیا تھا اور وہ اسے ایک عظیم حکمران تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ کشتی رات کی تاریکی میں اسکندریہ کی بندرگاہ میں داخل ہوئی اور چپکے۔ سرشاہی محل کی سیڑھیوں سے لگ گئی۔ غلام قالین کو شانے پر رکھ کر باہر نکلا۔ ابھی وہ سیڑھیوں پر تھا کہ پہرے داروں نے اسے روک لیا۔

"کون ہو تم اور یہ کیا لے جارہے ہو؟"

"میں شاہ کا غلام ہوں اور عظیم رومی فاتح کے لیے اس کی طرف سے یہ تحفہ لے جارہا ہوں۔" غلام بولا۔

خلافِ توقع پہرے داروں نے بغیر تلاشی کے اسے جانے دیا۔ اندر کئی جگہ اسے روکا گیا اور اس نے یہی جواب دیا۔ حتیٰ کہ ایک عالی شان خواب گاہ تک پہنچ گیا۔ جہاں ایک ادھیڑ عمر مگر وجیہہ اور باوقار شخص بیٹھا بے ارغوانی سے لطف اندوز ہورہا تھا۔ غلام نے جھک کر اسے تعظیم دی اور بولا۔ "غلام فاتح عالم کی خدمت میں ایک تحفہ پیش کرنا چاہتا ہے۔"

"اجازت ہے۔" ادھیڑ عمر شخص نے اشارہ کیا۔

غلام نے اجازت پاتے ہی قالین فرش پر رکھ کر اسے لڑھکا دیا۔ قالین کھلتا ہوا ادھیڑ عمر شخص کے قدموں تک جا پہنچا۔ وہ اس میں سے ایک حسین و دلکش عورت کو نکلتے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ یہ عورت تاریخ میں ملکہ قلوپطرہ کے نام سے مشہور ہوئی اور ادھیڑ عمر شخص رومی فاتح جولیس سیزر تھا۔

○☆○

قبل مسیح کا دور ختم ہورہا تھا۔ دنیا کے نقشے میں سرعت سے تبدیلیاں واقع ہورہی تھیں۔ طاقت کے مراکز دو علاقوں میں منتقل ہوگئے تھے۔ ایشیا میں ایران اور وسط ایشیا کے وسیع علاقوں پر پھیلی پارسی سلطنت تھی جو مسلسل عروج و زوال کے دور سے گزر رہی تھی۔ بدقسمتی سے یہ سلطنت ایشیا کی گزرگاہ پر واقع تھی۔ ایشیائے کوچک سے حملہ کرنے والے یورپ کے لشکر یہیں سے گزرتے تھے۔ فاتح عالم بننے کی دھن میں کتنے ہی سپہ سالاروں نے اس سرزمین کو روندا تھا۔ ان میں سکندر اعظم جیسا پُرشکوہ فاتح بھی تھا۔ اس کی بدقسمتی کہ اس نے ایران کو مکمل طور پر فتح کیا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی اس فتح کو مضبوط کرتا، دستِ اجل نے اس کی سانسوں کا رشتہ منقطع کردیا۔ اس کے وارثوں میں کوئی اس قدر اہل نہیں تھا کہ اس کے فتح کیے علاقوں کو تن تنہا سنبھال سکتا لہٰذا اس کے جرنیلوں نے اس عظیم الشان سلطنت کو مالِ غنیمت کی طرح آپس میں تقسیم کرلیا۔ جو جہاں قابض تھا، وہیں کا حکمران بن بیٹھا۔ سکندر اعظم کو عظیم ایرانی فاتح کورش کے عالمگیر حکومت کے نظریے نے بے حد متاثر کیا تھا۔ کورش وہ شخص تھا جس نے ایک چھوٹے سے علاقے سے اٹھ کر ایران، ایشیائے کوچک اور مشرقی یورپ کے بڑے حصے کو فتح کرڈالا تھا۔

کورش سے پہلے فتح حاصل کرنے والے لشکر اپنے مفتوحہ علاقوں اور وہاں کی عوام کے لیے تباہی و بربادی کا پیغام لاتے تھے۔ ان کا مقصد اپنے دشمن کو صفحۂ ہستی سے نابود کردینا ہوتا تھا مگر کورش نے اس کے برعکس پالیسی اپنائی تھی۔ وہ جس علاقے کو فتح کرتا، وہاں کے عوام کو امان دے کر اپنی رعایا میں شامل کرلیتا تھا۔ ان کی فلاح و بہبود کے لیے کوشش کرتا اور اکثر اوقات وہ ان کے سابق آقاؤں سے زیادہ مہربان اور کشادہ دل ثابت ہوتا تھا۔ اس کے رویے نے مفتوحہ لوگوں کو اس کا شیدائی بنا دیا تھا۔ کورش نے دنیا کی پہلی بین الاقوامی فوج بھی بنائی تھی۔ واضح رہے کہ یہ وہی کورش ہے جسے تاریخ میں ذوالقرنین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ ایک فاتح سے زیادہ ایک مصلح تھا۔ جس نے اپنے اردگرد جاری ناانصافیوں کو ختم کرنے کی شعوری کوشش کی تھی۔

سکندر اعظم، کورش یا ذوالقرنین سے کتنا ہی متاثر سہی لیکن جب اس نے مشرق پر چڑھائی کی تو یہ توسیع پسندی کی ایک ذرا بہتر شکل تھی۔ جسے بعد میں سکندر اعظم نے ذوالقرنین کی کوشش کا اعادہ قرار دیا حالانکہ نہ تو وہ اس جیسا منصف مزاج تھا اور نہ مصلح۔ اگرچہ اسے ارسطو جیسا استاد اور مشیر میسر تھا۔ اس کا مسئلہ وہی سفید فام تنگ نظری تھی۔ جو ایک رنگ دار انسان کو اپنے برابر سمجھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ لہٰذا اس کی مہم جوئی کو بین الاقوامی حکومت کا تاثر نہ مل سکا۔ اس نے اپنی فوج میں جو مقامی افراد شامل کیے، وہ بھی اس کی موت کے بعد اپنے علاقوں کو لوٹ گئے تھے۔ اس بنا پر سکندر اعظم کوئی مضبوط سلطنت نہ چھوڑ سکا اور اس کا وجود درمیان سے ہٹتے ہی اس کا مفتوحہ علاقہ سرعت سے تحلیل ہوتا چلا گیا۔

وسطِ یورپ میں وحشی رومن خود کو ایک مضبوط اور

پائدار سلطنت کی صورت میں منظم کر چکے تھے۔ یونان کی ریاست ماضی کا قصہ بن چکی تھی۔ ایرانی سلطنت سکندر اعظم کے فوراً بعد دوبارہ قوت پکڑ چکی تھی اور اس کی پشت پر ایک بے حد مضبوط اور تہذیبی طور پر ترقی یافتہ قوم تھی۔ جسے مغلوب تو کیا جاسکتا تھا لیکن ختم نہیں۔ ایران کو کبھی ہندوستان کی طرف سے خطرہ نہیں رہا۔ حیرت انگیز طور پر قبل از تاریخ اور بعد میں بھی دونوں ملکوں میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ جو خاصا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ حالانکہ دو مختلف تہذیبی اور مذہبی پس منظر رکھنے والی قوموں میں جو ہمسایہ بھی ہوں جنگ ناگزیر سی بات تھی۔

چندر گپت سوریہ اور اشوک اعظم کا متحدہ ہندوستان اب بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا تھا اور بین الاقوامی طور پر اس کی حیثیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ سادہ ہندو مذہب نے جب ذات پات کا لبادہ اوڑھا تو اس کا فطری ردِ عمل ہندوستان کی تقسیم کی صورت میں سامنے آیا۔ مہاتما بدھ کی اصلاحات کو جنہوں نے بدھ مت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ چالاک برہمنوں نے ہندو مت میں جذب کر لیا تھا اور اب ہندوستان میں بدھ مت کی حیثیت طفیلی مذہب کی سی تھی لیکن ہمالیہ کے اس پار شمال اور مشرق میں بدھ مت بہت تیزی سے پھیل رہا تھا۔ چین کی عظیم الشان سلطنت کو وسطِ ایشیا کے معاملات میں دخل دینے کی فرصت نہیں تھی۔ وہ شمال کے وحشی قبائل سے الجھا ہوا تھا پھر درمیان میں عظیم پہاڑی سلسلے اور صحرا حائل تھے۔ چین ابتدا سے ہی ایک الگ تھلگ دنیا تھی۔

تہذیب کا ایک اور گڑھ مصر زوال کی طرف تیزی سے مائل بہ سفر تھا۔ دنیا میں سب سے زیادہ عرصے بادشاہت کے زیرِ نگیں رہنے والا یہ خطہ... ہمیشہ سے اپنی زرخیزی کی بدولت اردگرد کی اقوام کی حریص نگاہوں کا مرکز رہا لیکن جب تک یہاں طاقت ور خاندان حکمران رہے، کسی کی جرأت نہ تھی کہ مصر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا بلکہ مصر اردگرد کے تمام ہی ممالک سے خراج لیا کرتا تھا۔ مصر پر کل تیس شاہی خانوادوں نے حکومت کی لیکن چھبیسویں خاندان کے بعد ہی مصر نے ایک بین الاقوامی یتیم کی سی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ جس پر طاقت ور قابض ہو جاتا اور یہاں کے کم ہمت اور نااہل حکمرانی اب برائے نام ہی بادشاہ تھے۔ مصر کے اندرونی گورنر خود مختار تھے اور اصل حکمرانی پجاریوں کی تھی۔ جن سے غیر ملکی حملہ آور بھی ڈرتے۔ عوام ان کے ایک اشارے پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور غیر ملکی حملہ آور عوام کے خلاف ہتھیار اٹھانا نہیں چاہتے تھے کیونکہ یہی عوام تھے جو مصر کی زرخیز زمینوں سے اناج کی شکل میں سونا اگاتے تھے۔ وہ سونا جس کی کشش غیر ملکیوں کو مصر کھینچ لائی تھی۔

لہٰذا جب یورپ کے تاریک سائے مصر کی سرزمین پر پڑنے لگے اور مصر سلطنت روما کے ایک باج گزار صوبے کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ تب بھی رومیوں نے مصر کے مذہبی نظام اور عوام کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کی بلکہ الٹا انہیں رعایتیں دی تھیں اور ان کی توقع کے عین مطابق پجاریوں اور عوام نے انہیں کھلی چھٹی دے دی کہ وہ جس طرح چاہیں شاہِ وقت کو نچوڑیں۔ مصری خزانے کو لوٹیں اور اپنے ملک لے جائیں۔ اس خزانے کا مصری عوام کو ویسے بھی کوئی فائدہ نہیں تھا اور محاصلوں سے حاصل ہونے والی کثیر آمدنی حکمرانوں کی عیاشیوں پر خرچ ہو جاتی تھی۔ اب یہ حکمران اہرام اور عظیم الشان مندر بنا کر عوام کو روزگار بھی فراہم نہیں کرتے تھے۔

مصر کا آخری اور تیسواں حکمران خاندان دراصل خالص یورپی تھا۔ سکندر اعظم کے ایک لائق جرنیل بطلیموس نے مصر کو فتح کیا تھا۔ لہٰذا سکندر کے مرنے کے بعد اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر مصر پر قبضہ کر لیا۔ بظاہر اس نے خود کو گورنر قرار دیا لیکن جلد ہی اس نے بادشاہت کا لبادہ اوڑھ لیا اور خود کو شاہِ مصر کہنے لگا۔ یوں بطلیموس خانوادے کی بنیاد پڑی۔ اس خاندان کے ابتدائی حکمرانوں نے عالی ہمت اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا۔ انہوں نے مصر کے نظامِ زندگی میں دخل اندازی سے گریز کیا اور خود کو صرف امور مملکت تک محدود رکھا تھا۔ گویا سیکولر طرزِ حکمرانی اپنائی۔ عوام اور پجاریوں کو حکمرانوں کے مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان کے اطمینان کے لیے یہی کافی تھا کہ حکمران ان کے مذہب اور رسم و رواج پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگاتے پھر پجاریوں اور عوام کو خوش کرنے کے لیے بطلیموس حکمران کبھی کبھی کسی خاص مذہبی تقریب میں شرکت کر لیا کرتے تھے۔

یونانی ہونے کی وجہ سے بطلیموس علم و ادب کے شیدائی تھے۔ بطلیموس اول نے اسکندریہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ سکندر اعظم کے نام سے موسوم یہ شہر مصر کے شمال مغربی حصے میں دریائے نیل کے ڈیلٹا سے دو سو میل کے فاصلے پر بحیرۂ روم کے کنارے آباد تھا۔ مصر میں یہ شاید واحد بڑا شہر تھا جو دریائے نیل کے کنارے آباد نہیں تھا۔ ایک مصروف بحری شاہراہ پر ہونے کی وجہ سے یہ جلد بین الاقوامی تجارت کا مرکز بن گیا۔ افریقہ اور عرب ممالک سے آنے والا سامانِ تجارت اس کی بندرگاہ کے راستے یورپ جاتا تھا اور یورپ سے آنے والا سامان یہاں سے بہ ذریعہ خشکی یا بحیرہ قلزم کے راستے مشرقی ممالک کو روانہ کیا جاتا تھا۔

بطلیموس اول نے اسکندریہ میں ایک شاندار لائبریری

اور عجائب گھر قائم کیا تھا۔ جہاں علم و فن کے سرپرست ہوں وہاں علم و فن کے پروانے خود چلے آتے ہیں۔ جلد اسکندریہ حصولِ علم کے لیے آنے والے شائقین کا گڑھ بن گیا۔ یہاں ایک یونیورسٹی اور بے شمار اعلیٰ درس گاہیں تھیں۔ جن میں مختلف ممالک کے ہزاروں طلبہ زیرِ تعلیم تھے۔ طرزِ تعمیر کے لحاظ سے بھی اسکندریہ نادر روزگار شہر تھا۔ انوکھے مصری طرزِ تعمیر میں یورپی اور خاص طور سے یونانی طرزِ تعمیر کی آویزش سے جو شاہکار سامنے آئے' انہیں دیکھ کر آنے والے سیاح اش اش کر اٹھتے تھے۔ اسکندریہ کو منصوبے کے تحت آباد کیا گیا تھا اور یہ موہنجوداڑو کے بعد دوسرا شہر تھا۔ جس کی تعمیر میں ٹاؤن پلاننگ کے اصول استعمال کیے گئے تھے۔ یہاں کی گلیاں' پختہ صاف ستھری اور کشادہ تھیں۔ شہر کی تہذیب اور ثقافت پر یونانی رنگ غالب تھا مگر یہاں کے اکثر باشندے مصری النسل تھے۔ مذہبی طور پر بھی ان کا سکہ ہی چلتا تھا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اسکندریہ کے مندروں میں یونانی اور یورپی دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی تھی۔ اس کے برعکس یہاں وہی مصری خداؤں کے مندر تھے جو پورے مصر میں جا بجا پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں رب آمون اور دیوی آئی سس کے مندر قابلِ ذکر تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بطلیموس حکمرانوں نے کمالِ سیاست سے کام لیتے ہوئے مصریوں پر اپنے دیوتاؤں کو تھوپنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ انہوں نے پجاریوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے انہیں کھلی چھوٹ دی۔ حتیٰ کہ دولت خرچ کرکے ان کے لیے نئے مندر بنوائے اور پرانے مندروں کی از سرِ نو تزئین اور آرائش کی گئی۔

بطلیموس اول اور اس کے پیش رو حکمرانوں نے ہوشیاری سے حکومت کی۔ مصر اور اپنی حکومت کو استحکام بخشا' اردگرد کی اقوام سے دوستانہ روابط بڑھائے۔ جن کی جنگی طاقت مصر کے لیے خطرہ بن گئی تھی' ان میں شام کی مملکت اور سلطنت روما سرفہرست تھی۔ خوش قسمتی سے مصر کی مشرق اور جنوب کی سرحدیں محفوظ تھیں۔ جنوب کے خون خوار وحشی قبائل ماضی کی بات بن چکے تھے۔ افریقہ کی آفتوں' قحط' بیماریوں اور سب سے بڑھ کر مصریوں کی مسلسل جنگی تگ و تاز نے ان قبائل کا خاتمہ کرکے رکھ دیا تھا۔ بچے کھچے قبائل اب خانہ بدوش اور گلہ بانوں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ مصر کو اصل خطرہ شام اور سلطنت روما سے تھا۔ یہ دونوں حکومتیں اس کی زرخیز سرزمین پر نظریں جمائے بیٹھی تھیں۔ خاص طور سے رومی کچھ زیادہ ہی حریص ہو رہے تھے اور اس کی معقول وجہ بھی تھی۔ زرعی لحاظ سے اٹلی کبھی بھی قابلِ رشک ملک نہیں رہا۔ خاص طور سے اناج کی پیداوار میں۔ رومن عظیم قوم تھی اور اس کی خوراک کا زیادہ تر دارومدار مصر پر تھا۔ دوسرے فوجی اخراجات اور جنگی مہمات کے لیے رومیوں کو زرکثیر درکار تھا۔ جو صرف مصر سے ہی حاصل ہو سکتا تھا۔ اس سے پہلے فونیقی قوم جو بحیرہ روم کی افریقی پٹی پر آباد تھی اور بے حد مالدار قوم تھی۔ رومنوں کے لالچ اور مہم جوئی کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ حالانکہ یہ لوگ روم کو باج کی شکل میں بڑی رقم فراہم کرتے تھے۔ اب رومنوں کی نظر مصر پر مرکوز تھی۔

مصر میں تمام ہی علوم و فنون پجاریوں کے قبضے میں تھے۔ جیسے رسم الخط' مجسمہ سازی' دیواروں پر تصاویر کندہ کرنا اور اہرام جیسی فنِ تعمیر' لہٰذا جدید دنیا تک جو بھی روایات پہنچی ہیں۔ ان میں سے اکثر کا منبع پجاریوں کی ذات ہے۔ لہٰذا انہوں نے تاریخ کو اپنے مطلب کے لیے خوب مسخ کرکے بیان کیا ہے۔ مصر پر حکومت کرنے والے تیس خانوادوں میں سے اکثر مصر کی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان میں سے بہت سارے دراصل غیر ملکی تھے۔ جنہوں نے ملک پر اور اس کے اقتدارِ اعلیٰ پر قبضہ کرلیا تھا۔ جیسے گدڑیئے بادشاہ اور سب سے بڑی مثال بطلیموس خاندان کی ہے۔ ان سب کے اپنے رسم و رواج' طرزِ زندگی اور مذاہب تھے لیکن پجاریوں کی چالاکی ملاحظہ ہو۔ انہوں نے ہر خاندان کے دورِ حکومت میں بننے والے منادر اور عمارتوں میں کی گئی نقش کاری میں ان خاندانوں کو مصری رسم و رواج اور مذہب کا پابند دکھایا ہے۔ یعنی وہ مصری لباس پہنے ہوئے مصر کے خاص دیوتاؤں کی عبادت کرتے نظر آتے تھے۔ یہی حال تحریری واقعات کا تھا۔ اس پروپیگنڈے کا اثر بعد کے سب تاریخ دانوں نے لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں قلوپطرہ کی وہ شکل دکھائی دیتی ہے جس کا حقیقت سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ یعنی مصری روپ میں۔ وہ سر پر تاج اور گلے میں سانپ والا ہار پہنے ہوئے نظر آتی ہے۔ حالانکہ یہ سوچنے کی بات ہے کہ اس کا تعلق بنیادی طور پر سرزمین یونان سے تھا۔ ہمیں مجسموں اور تصاویر میں جو مصری نقوش والی قلوپطرہ نظر آتی ہے۔ اصل قلوپطرہ یقیناً اس سے بے حد مختلف ہوگی اور یہ حقیقت ہے۔ مصر جیسے دولت مند ملک کی حکمرانی کے جذبے نے اگرچہ بطلیموس اول اور اس کی آل اولاد کو اپنا اسیر بنائے رکھا تھا لیکن ان کے دل سے یونان اور اس کی تہذیب کی محبت ختم نہیں کی تھی۔ انہوں نے صدیوں مصر میں رہنے کے باوجود وہاں کی تہذیب' رسم و رواج اور مذہب کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس کا اندازہ اسکندریہ سے بھی ہوتا ہے جو یونانی تہذیب کا حامل ملک تھا اور یہاں یونان کے علما و فضلا بکثرت

آتے تھے اور بہتوں نے تو یہیں رہائش اختیار کرلی تھی۔ بطلیموس خاندان کی سرکاری زبان ہمیشہ یونانی رہی۔ ان کا درباری ...لباس بھی یونانی تھا اور شاہی لباس بھی۔ تمام سرکاری عمارات اور قصرِ شاہی یورپین اور خاص یونانی طرزِ تعمیر کا نمونہ تھیں۔ زیادہ تر مشیر اور امرا بھی یونانی النسل تھے۔ فوج میں یونانی نمایاں تھے اور شاہ مصر کا خاص باڈی گارڈ دستہ یونانی سپاہیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ دسترخوان سے لے کر میدان جنگ تک بطلیموس خالص یونانی تھی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی خاص تہوار یا کسی خاص مذہبی تقریب کے موقع پر وہ مصری لباس اور تاج پہن لیتے ہوں اور کسی پوجا کی تقریب میں شرکت کرلیتے ہوں تو اسے سوائے سیاسی مجبوری کے اور کچھ نہیں سمجھنا چاہیے۔ ورنہ مصر سے ان کی بیزاری کا یہ عالم تھا کہ اکثر حکمرانوں نے مصری زبان سیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی تھی اور مترجموں سے کام چلاتے تھے۔

دوسری طرف مصری عوام بطلیموس خاندان کو تخت مصر کا جائز وارث تسلیم کرتے تھے اور انہیں ان تمام القابات اور اعزازت کا مستحق گردانتے تھے جو اس سے پہلے خالص مصری النسل فرعونوں کے لیے مخصوص چلے آرہے تھے۔ مثلاً "آمون کا اوتار' ابن الشمس' اور برگزیدہ خدا" وغیرہ وغیرہ۔ بطلیموس حکمرانوں کی تصاویر مندروں میں کندہ تھیں۔ جن میں انہیں خالص مصری روپ میں اور مصری دیوتاؤں کی عبادت کرتے دکھایا گیا تھا۔ انہیں دیوتاؤں کے ساتھ دکھایا گیا۔ حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ یہ یونانی الاصل حکمران مصری دیوتاؤں سے واقعی کوئی دلچسپی رکھتے تھے۔

بعد کے بطلیموس حکمران نکمے اور نااہل ثابت ہوئے۔ وہ عیاشیوں میں اتنے بدمست تھے کہ انہیں ملکی نظم و نسق کا ذرا بھی خیال نہیں رہا تھا۔ جیسا کہ عیاش حکمرانوں کا وتیرہ رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصر پر سلطنت روما کے منحوس سائے گہرے ہوتے چلے گئے۔ کم ہمت حکمرانوں کو اپنی آزادی اور عافیت اسی میں نظر آئی کہ رومی سینیٹ کے آگے اپنی جبیں خم کیے رکھیں۔ وہ اس حد تک بڑھ گئے کہ ان کا رویہ باج گزار حکمرانوں سے زیادہ اطاعت پذیر غلاموں کا سا ہوگیا تھا۔ رومنوں نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے مصری خزانے کو دل کھول کر لوٹا۔

صورتِ حال ہر گزرتے دن کے ساتھ بدتر ہو رہی تھی اور جب خاصے خون وکشت کے بعد بطلیموس گیارہ تخت نشین ہوا تو رومی ایک طرح سے مصر کے مالک بن چکے تھے کیونکہ ان کے پاس سابقہ حکمران بطلیموس دہم نے ایک وصیت نامے پر دستخط کیے تھے۔ جس کی رو سے اس کے مرنے کے بعد مصر کی حکومت سلطنت روما کے حوالے کردی جائے گی۔ بطلیموس بارہ روم کی مدد سے تخت نشین ہوا تھا اور صرف انیس دن بعد قتل ہو کر راہی ملکِ عدم ہوا تھا۔ نئے بادشاہ کے علم میں یہ وصیت نامہ آیا تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ پہلے تو اس نے صاف انکار کردیا کہ یہ وصیت نامہ سابق شاہ کا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ یہ وصیت نامہ کسی گمنام شخص نے تحریر کیا تھا مگر وصیت نامہ رومی سینیٹ کے پاس محفوظ تھا اور بادشاہ جانتا تھا کہ اس کا دعویٰ بودا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس پر سچ مچ سابق مرحوم شاہ کے دستخط تھے بلکہ وہ جانتا تھا کہ رومی سینیٹ اس وصیت نامے پر عمل درآمد کرانے کی طاقت رکھتی ہے۔

ایک طرف تو بادشاہ پریشان تھا۔ دوسری طرف رومی سینیٹ کے ارکان مخمصے میں تھے۔ ان کی اکثریت اس بات کے حق میں تھی کہ مشرقی معاملات میں دخل اندازی سے گریز کیا جائے۔ رومنوں کو جرمنی کے وحشی قبائل اور اسپین کی شکل میں بڑے مسائل کا سامنا تھا اور ان کی فوج کا بڑا حصہ اور لائق ترین جرنیل جرمنی.......... اور اسپین میں مصروفِ جنگ تھے۔ ان حالات میں مصر پر قبضہ کرنا ایک نئے محاذ کو کھولنے کے مترادف تھا۔ رومی جانتے تھے کہ مصر پر شام اور ایران کی حکومتوں کی نظریں بھی مرکوز تھیں۔ روم کی مصر میں مداخلت انہیں موقع فراہم کردیتی اور رومی فی الوقت ان دو طاقتوں سے الجھنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ رومی سینیٹ کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ مصر پر قبضے کی صورت میں کہیں کوئی رومی طالع آزما مصر پر اپنا تسلط قائم کرکے خود مختار نہ بن جائے اور رومنوں کی عظیم طاقت آپس کی زور آزمائی میں نہ صرف ہونے لگے۔ کوئی بھی جرأت مند شخص مصر کی بے پناہ آمدنی کو درست طریقے سے استعمال کرتا تو بہت بڑی فوج کھڑی کرسکتا تھا۔ واضح رہے کہ مصر کی آمدنی روم اور اس کے تمام مقبوضات کے مساوی تھی۔ رومی مقبوضات میں نصف یورپ اور طرابلس کے بعد افریقہ کی پوری ساحلی پٹی شامل تھی۔ جبکہ مصر ایک چھوٹا سا ملک تھا۔ جسے خوش قسمتی سے دریائے نیل جیسا ذخیرۂ آب میسر تھا۔

لہٰذا رومن سینیٹ نے سابق شاہ کے خزانے پر اکتفا کیا اور بطلیموس تیرہ اور شاہ قبرص کے اقتدار سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اس کے باوجود بادشاہ کو دھڑکا لگا تھا کہ کہیں رومنوں کو وصیت نامے پر عمل درآمد کا خیال آجائے اس کے خیال میں رومنوں کو باز رکھنے کی ایک ہی ترکیب تھی۔ یعنی انہیں رشوت دی جائے۔ جیسے بھونکنے والے کتے کے آگے ہڈی ڈال دی جاتی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کاٹ لے۔ بعد میں یہ حوصلے سے عاری حکمران زندگی بھر اسی حکمتِ عملی

پر عمل پیرا رہا۔ رومن سینیٹ کی جانب سے مصر سے تعرض نہ کرنے کے فیصلے کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ بادشاہ کی ایک رشتے دار عورت سیلین کے دو بیٹے روم پہنچ گئے۔ انہوں نے سینیٹ میں دہائی دی کہ مصر کی حکومت کے جائز وارث وہی ہیں اور دلیل کے طور پر انہوں نے سینیٹ کے ارکان میں ٹیلنٹ (رومی سکہ) تقسیم کرنا شروع کردیے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے رومی سینیٹ میں اس سے زیادہ مؤثر دلیل اور کوئی نہیں ہے۔ جلد ہی دونوں بھائی قلاش ہوگئے اور اپنے دعوے سے دستبردار ہوگئے۔

ابھی اس آفت کو ٹلے زیادہ عرصے نہیں گزرا تھا کہ پومپی اعظم نے جو روم کی حکومت کے تین بڑوں میں شامل تھا۔ ایک کمان دار فتوس کو بحری بیڑا دے کر مصر کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ تجارتی بحری جہازوں کو لوٹنے والے بحری قزاقوں کی سرکوبی کرسکے۔ فتوس روم کی حکومت کی جانب سے مصر میں مختار مطلق تھا۔ اس نے رومی سکوں پر بطلیموس عقاب کی تصویر کندہ کرائی۔ جس کے معنی تھے کہ مصر بھی روم کا ایک صوبہ ہے۔ بادشاہ دم بھی نہ مار سکا تھا۔ خدا خدا کرکے یہ بحری بیڑا روانہ ہوا تو بادشاہ نے سکون کا سانس لیا مگر تین سال بعد ایک اور بیڑا آن دھمکا۔ صاف ظاہر تھا کہ رومنوں کی نیت نیک نہیں تھی۔

بطلیموس تیرہ عیش و عشرت کا رسیا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ اپنی زندگی میں جتنا عیش کرسکتا ہے کرلے اور روم سے مہلت حاصل کرتا رہے چاہے اس کے لیے اس کو پورا مصر ہی کیوں نہ لٹانا پڑے۔ ۶۵ قبل مسیح میں روم نے جولیس سیزر کی زیرِ قیادت مصر پر حملے کا ارادہ کیا لیکن بوجوہ اس منصوبے پر عمل نہیں کیا جاسکا۔ دو سال بعد رومنوں نے شام پر قبضہ کرلیا اور اب مصر تین اطراف سے ان کے گھیرے میں آگیا تھا۔ ان دنوں رومی سینیٹ پومپی اعظم اور جولیس سیزر کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی تھی۔ روم کی حمایت حاصل کرنے کا مطلب پومپی یا سیزر میں سے کسی ایک کی حمایت حاصل کرنا تھا۔

بادشاہ نے ۵۹ ق م میں خود روم کا رخ کیا۔ اس کی خواہش تھی کہ سینیٹ اس کی بادشاہت کی توثیق کردے تاکہ اس کے سر پر لٹکی خطرے کی تلوار ہمیشہ کے لیے ہٹ جائے۔ وہ جانتا تھا کہ سینیٹ کو خریدنے کے لیے کثیر رقم کی ضرورت پڑے گی لہٰذا اس سے جتنا ممکن ہوسکا، رقم اکٹھی کرکے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس نے روم پہنچتے ہی خزانے کے منہ کھول دیے۔ رومی عیاروں نے بھی اس احمق بادشاہ کو دل بھر کر لوٹا۔ جب لٹاتے لٹاتے خزانہ جواب دے گیا تو بادشاہ نے ساہوکاروں سے قرض لینا شروع کردیا۔ انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر سو فی صد سود کی شرط عائد کردی۔

جنگی مہمات نے رومی خزانے کو بھی خالی کردیا تھا اور جولیس سیزر کی رائے تھی کہ اب مصر پر قبضہ کرکے وہاں کی دولت پر ہاتھ صاف کرنے چاہئیں۔ سیزر ان دنوں روم کا مختار مطلق تھا اور اپنی عیاشیوں اور فضول خرچیوں کی وجہ سے دیوالیہ ہوچکا تھا۔ بادشاہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے چھ ہزار ٹیلنٹ کی رشوت دی۔ یہ بہت بڑی رقم تھی۔ اس رقم نے سیزر کو اپنا مؤقف تبدیل کرنے پر مجبور کردیا اور اس نے سینیٹ میں بادشاہ کے حق میں ایسی زوردار تقریر کی کہ ارکان نے متفقہ طور پر بطلیموس تیرہ کو شاہِ مصر تسلیم کرتے ہوئے اس کی حکمرانی کا پروانہ جاری کردیا اور اس کے بدلے روم نے قبرص کو بھی اپنی مقبوضات میں شامل کرلیا۔

بادشاہ نے بھائی کی بربادی کو کان دبا کر برداشت کیا اور خوشی کے شادیانے بجاتا مصر لوٹ آیا مگر قسمت اس سے روٹھ چکی تھی! اس دفعہ مصری عوام نے اس کے خلاف بغاوت کردی۔ ظاہر ہے بادشاہ نے روم میں جس دادودہش کا مظاہرہ کیا تھا۔ جو قرض لیے تھے اور آئندہ کے لیے جو وعدے کیے تھے، ان سب کا بار بالآخر مصری عوام کو ہی برداشت کرنا تھا۔ کم ہمت بادشاہ بغاوت فرو نہ کرسکا تو مصر سے ہی فرار ہوگیا۔ اس کا رخ ایک بار پھر دربارِ روم کی طرف تھا۔ راستے میں اس کی ملاقات کیٹو سے ہوئی تھی۔ کیٹو نے اسے مشورہ دیا۔ "احمق مت بنو، رومنوں کی مدد حاصل کرنے کے لیے تم مصر کی ساری دولت بھی ان کے آگے ڈال دو۔ تب بھی ان کا لالچ ختم نہیں ہوگا۔ بہتر ہوگا مصر واپس جاکر اپنے لوگوں کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کرو۔"

مگر بادشاہ میں کچھ کرنے کا حوصلہ ہوتا تو وہ روم کی طرف دیکھتا ہی کیوں۔ اس کی کم ہمتی اور عیش کوشی نے اسے ان حالوں کو پہنچایا تھا۔ لہٰذا اس نے کیٹو کے مشورے پر کان نہ دھرا اور روم کی طرف روانہ ہوگیا۔ روم پہنچتے ہی وہ دہائی دیتا سینیٹ تک گیا۔ حسبِ سابق اس نے سینیٹ کے ارکان پہ دل کھول کر رقم لٹائی۔ سیزر ان دنوں فرانس میں تھا اور پومپی روم میں موجود تھا۔ اس نے بادشاہ کو اپنی ذاتی جاگیر پر آنے کی دعوت دی۔ غالباً پومپی کی نگاہ بھی مستقبل کے ارادوں کے لیے مصر کی دولت اور افرادی قوت پر مرکوز تھی۔

ادھر بادشاہ کے جاتے ہی اس کی سب سے بڑی بیٹی

برنیس چہارم نے حکومت سنبھال لی اور اہلِ مصر نے اسے اپنی ملکہ بھی تسلیم کرلیا۔ ملکہ اور اس کی بہن قلوپطرہ ششم بادشاہ کی پہلی بیوی سے تھیں۔ جبکہ دوسری بیوی سے اس کی چار اولادیں تھیں۔ ان میں دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ جن میں ایک قلوپطرہ ہفتم تھی۔ یہی تاریخ کی وہ مشہور عالم ہستی ہے جو اس سرگزشت کا مرکزی کردار ہے۔ اہلِ مصر بادشاہ کے خلاف ہوچکے تھے۔ انہوں نے سو افراد پر مشتمل ایک وفد روم بھیجا تاکہ سینیٹ کے روبرو بادشاہ کے کرتوت بیان کرکے انہیں اس کی مدد سے روکا جائے مگر بادشاہ کو اس وفد کی آمد کی خبر ہوگئی اور اس نے قاتلوں کا ایک ٹولہ ان کی خبر گیری کے لیے بھیجا اور ابھی وفد پزولی کی بندرگاہ پر اترا ہی تھا کہ قاتل ٹولہ اس پر ٹوٹ پڑا۔ اکثر مارے گئے اور جو بچے وہ رشوت لے کر بادشاہ کے طرف دار ہوگئے۔ وفد کا سربراہ ڈوین فلسفی کسی طرح بچ کر روم تک تو پہنچ گیا لیکن وہاں زہر دے کر اسے بھی ملکِ عدم کا راہی بنا دیا گیا۔ یوں بظاہر بادشاہ کا راستہ صاف ہوگیا۔

مگر کسی شریپسند نے کہا کہ پرانی مقدس کتابوں میں درج ہے کہ کبھی شاہ مصر روم سے اعانت کا طلبگار ہو تو اسے تسلیاں تو خوب دی جائیں لیکن عملی امداد سے گریز کیا جائے۔ لہٰذا سینیٹ نے بادشاہ کو صاف جواب دے دیا۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتے دیکھ کر بادشاہ اپنے نصیبوں کو روتا روم سے نکل کر الفیس میں مقیم ہوگیا۔ تین سال گزر گئے۔ بالآخر پومپی نے سینیٹ کو تیار کرلیا کہ بادشاہ کو یوں بے یار و مددگار چھوڑنا بھی مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا مقدس کتابوں کی ہدایت کے مطابق کوئی قابل قبول حل نکالنے کا سوچا گیا اور بالآخر طے ہوا کہ بادشاہ تو روم ہی میں مقیم رہے اور رومی کمان دار فتولس کی زیرِ قیادت ایک لشکر جرار مصر بھیجا جائے۔ یہ سن کر بادشاہ کی جان ہی نکل گئی۔ اس کو معلوم تھا کہ ایک بار رومی مصر پر قابض ہوگئے تو ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ خود اس کی بادشاہت خطرے میں پڑ جائے گی لہٰذا اس نے شدت سے اس تجویز کی مخالفت کی اور بالآخر اسے رد کرا دیا۔

کوئی چارہ نہ پاکر بادشاہ نے شام کے گورنر عالس کو دس ہزار ٹیلنٹ کی بھاری رشوت دی (واضح رہے کہ یہ سکہ سونے کا ہوتا تھا) اور وہ بادشاہ کی مدد پر آمادہ ہوگیا۔ دوسری طرف مصر میں برنیس کی شادی آرکیلس سے ہوگئی تھی۔ جسے پومپی نے مہا پجاری مقرر کیا تھا اور اب یہ آرکیلس ہی مصر کا بادشاہ تھا۔ شام کے گورنر عالس کی پیش قدمی کا سن کر اس نے پومپی سے امداد طلب کی مگر پومپی نے معذرت کرلی۔ عالس اور اس کے لشکر نے صحرائے سینا کو عبور کیا اور نیل کے ڈیلٹا کے قریب دونوں لشکر آپس میں دست و گریباں ہوئے۔ رومنوں کا پلہ شروع سے بھاری تھا۔

آرکیلس جنگ میں ہی مارا گیا۔ بعد میں ملکہ برنیس بھی ماری گئی اور بطلیموس تیرہ نے تخت پر قدم رنجہ فرمایا۔ رومی لشکر واپس چلا گیا لیکن اسکندریہ تک ایک محافظ دستہ بادشاہ کے ساتھ گیا۔ قلوپطرہ کی بڑی سوتیلی بہن بھی قلوپطرہ کے نام کی تھی۔ جسے اکثر مرد بطلیموس کے نام سے موسوم تھے۔ اس طرح اکثر خواتین کے نام بھی قلوپطرہ تھے اور یہ بطلیموس خاندان کی ساتویں اور آخری قلوپطرہ تھی۔ جس پر اس خاندان کا باب ہی ختم ہوگیا تھا۔

اپنے باپ کی واپسی اور از سرِ نو تخت نشینی کے وقت چودہ یا پندرہ سال کی تھی۔ گرم ممالک میں آغازِ شباب کی عمر ہوتی ہے۔ یونانی ہونے کی حیثیت سے قلوپطرہ کے حسن و جمال میں کوئی شبہ نہیں تھا پھر صدیوں سے مصر جیسے گرم ملک میں رہنے سے یونانی سرخ و سفید رنگ میں یقیناً ملاحت شامل ہوئی ہوگی۔ ویسے بھی دنیا بھر میں حسن و دلکشی کے معاملے میں معیار یونان کے لوگ ہی ہیں۔ سرخ و سفید رنگت، سنہری یا سرخی مائل بال، نیلی آنکھیں، ستواں ناک، مضبوط ٹھوڑی اور دلکش جسمانی خدوخال اب بھی یونان کے لوگوں کا خاصہ ہیں۔ یونان کے لوگوں کو دیکھ کر یورپ والوں نے دیوی دیوتا تراش لیے تھے جو یونانی خدوخال رکھتے تھے۔ گویا یونانی عام انسان نہیں ہیں بلکہ دیوی دیوتاؤں کی اولاد ہیں۔ اپنی خوب صورتی کی اتراہٹ میں یونان خود کو عام لوگوں سے برتر خیال کرتے تھے۔

تاریخ میں قلوپطرہ کے اولین واقعات دستیاب نہیں ہیں اور جو کچھ فلموں اور بعض تاریخی داستانوں میں بیان کیا گیا ہے، ان کی حیثیت قصے کہانیوں سے زیادہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تاریخی سرگزشت میں قلوپطرہ کے بجائے اس کے خاندان، ملک اور دنیاوی حالات کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہ حالات تھے...جن میں قلوپطرہ نے شباب کی حدود میں قدم رکھا تھا۔

مصریوں کی اخلاقی گراوٹ اور پستی کا حال آپ سرگزشت میں "اخناتون" نامی فرعون کی روداد حیات میں ملاحظہ کرچکے ہیں مگر جب مصر کے اقتدار پر بدمست یونانی قابض ہوئے تو انہوں نے عیاشیوں اور سیاہ کاریوں کے وہ باب رقم کیے کہ رومنوں کی بے حیائی کے قصوں کو جائز دینے

والے تاریخ داں بھی دم بخود رہ گئے تھے۔ یوں تو یونانی ویسے ہی وحشی اور سفاک قوم تھی اور جب اسے ایک ملک پر اقتدار ملا تو یہ بالکل ہی بے قابو ہوگئی۔ قتل و غارت گری کا وہ طوفان اٹھا کہ الامان والحفیظ اور مزے کی بات ہے کہ یہ قتل و غارت گری مصری قوم کے بجائے آپس ہی میں جاری تھی۔ اقتدار کی ہوس نے بطلیموس خاندان کے دلوں کو اتنا سخت کردیا تھا کہ باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو بلکہ ماں، بہن اور بھائیوں کو بے دریغ قتل کردیتے تھے۔ اس خاندان کے چند ایک ہی خوش نصیب افراد گزرے جنہیں طبعی موت نصیب ہوئی۔ ورنہ اکثریا تو تیغ ہوئے یا زہر ہلال نے ان کا کام تمام کیا۔ قلوپطرہ کے تمام ہی قریبی رشتے دار قتل ہوئے اور ان میں سے کچھ اموات کا شبہ خود قلوپطرہ پر کیا جاتا تھا۔ ان میں قلوپطرہ کی سگی بہن آرسینواور اس کے بھائی اور نام نہاد شوہر بطلیموس چودہ تھا۔ اس سے چھوٹا بھائی بطلیموس پندرہ کے نام سے مشہور اور پھر مقتول ہوا تھا۔ قلوپطرہ کو اپنے باپ سمیت تمام رشتے داروں سے سخت نفرت تھی۔ برنیس کے قتل کے بعد وہ خود کو تخت مصر کا جائز حق دار سمجھنے لگی تھی لیکن اس کا باپ چاہتا تھا کہ تخت پر قلوپطرہ اور اس کا بھائی مشترکہ طور پر بیٹھیں۔ اس نے اپنے وصیت نامے میں یہی لکھا اور یہ وصیت نامہ رومی سینیٹ کے پاس بھیج دیا گیا تاکہ وہ اس پر عمل درآمد کرائے۔ یہ صورتِ دیگر وارثانِ تخت آپس میں لڑ مرتے اور مصر پر روم کا قبضہ ہوجاتا۔

۵۱ ق م۔ میں بالآخر بطلیموس تیرہ۔ نے دائی اجل کو لبیک کہا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کی وفات طبعی تھی یا اسے بھی اس کے پیش روؤں کی طرح انتقال پر مجبور کیا گیا تھا۔ قلوپطرہ نے مجبوری کے عالم میں باپ کی وصیت کو قبول کیا تھا۔ بطلیموس تیرہ۔ اپنے خاندان کی خونی روایتوں سے خوب واقف تھا۔ خود اس کے ہاتھ اپنی بیٹی اور داماد کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ وہ قلوپطرہ کی اپنے بہن بھائیوں سے نفرت سے بھی واقف تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ تخت پر اکیلے قابض ہونے کے لیے وہ انہیں بھی مروادے گی۔ بعد میں شاہ مرحوم کے یہ خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔ ویسے بھی تخت نشینی کے لیے چار افراد کا ہونا جھگڑے کی فال تھی۔

بادشاہ نے وصیت نامے میں یہ شرط بھی رکھی تھی کہ قلوپطرہ اور اس کا بھائی باہم عقد کرکے میاں بیوی کی حیثیت سے مصر پر حکومت کریں۔ خون کے رشتوں سے ازدواجی تعلق قائم کرنا خالص مصری روایات تھیں اور بطلیموس یونانی تھے مگر اقتدار کو اپنے خاندان میں برقرار رکھنے کے لیے انہوں نے اس قبیح رسم کو بھی اپنالیا۔ دوسرے عام رواج کے برعکس مصر میں تخت کی وارث سب سے بڑی لڑکی ہوتی ہے۔ سب سے بڑا لڑکا نہیں۔ لہٰذا لڑکے کے تخت پر قابض ہونے کی ایک ہی صورت تھی کہ اپنی بہن سے شادی کرلے۔ لہٰذا قلوپطرہ اور شہزادہ بطلیموس چودہ کی آپس میں شادی کردی گئی اور وہ مل کر حکومت کرنے لگے۔

بطلیموس تیرہ کو اقتدار دلانے کے بہانے رومنوں نے مصر پر اپنی گرفت مضبوط کرنا شروع کردی تھی۔ بادشاہ نے وزیر محاصل رابیرسس کو بنا دیا تھا۔ اس نے محاصل وصول کرنے کے لیے رومی افسروں کو مقرر کیا۔ جنہوں نے مصری عوام کی کھال کھینچنا شروع کردی۔ اسکندریہ ایک طرح سے رومی فوج کے قبضے میں تھا۔ مصری عوام نے اس صورتِ حال کو زیادہ عرصے برداشت نہیں کیا۔ انہوں نے مسلح یورش کی اور رومنوں کو ملک سے مار بھگایا۔ بادشاہ کے ہوش اڑ گئے۔ وہ مصریوں کے سامنے بے بس تھا۔ جنہوں نے اتنی مہربانی کی تھی کہ اسے تخت سے نہیں اتار پھینکا۔ وہ جانتا تھا کہ جیسے ہی یہ خبر روم پہنچے گی، رومی قہر بن کر انٹیں گے اور مصر پر ٹوٹ پڑیں گے۔ عوام اور ملک کا وہ جو حشر کریں۔ اس کی بلا سے لیکن خود اس کی بھی خیر نہیں ہوگی۔ رومی اس پر معاہدے کی خلاف ورزی کا الزام لگائیں گے اور اسے تختۂ دار پر کھینچ دیں گے۔

مگر ابھی مصر اور بطلیموس خاندان کی خوش قسمتی کا تھوڑا حصہ باقی تھا۔ ان ہی دنوں ایرانیوں نے آرمینیا میں رومی افواج کو تباہ کن شکست دی اور سپہ سالار کو لسس مارا گیا۔ فوراً ہی رومی اس شکست کا بدلہ چکانے کی تیاریوں میں لگ گئے اور مصر۔۔۔ عارضی طور پر ان کے ذہن سے نکل گیا۔ اس کے فوراً بعد بادشاہ مرگیا اور اقتدار کم سن قلوپطرہ اور نوعمر شہزادے کے ہاتھ آیا۔ ان کے درمیان نام نہاد ہی شادی تھی کیونکہ شہزادہ ابھی بالغ نہیں ہوا تھا۔ اس کا نگران پوتھی نوس ایک خواجہ سرا تھا۔ وہ بلا کا عیار اور سازشی شخص تھا۔ دوسرا اتالیق تھیوڈوٹس جو یونانی طبیب تھا اور اسے دربار میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ تیسرا مخلوط النسل ایکیلاس تھا۔ جو شاہی محافظ دستے کا کمان دار بھی تھا۔ یہ تین افراد شہزادے کا دل و دماغ اور زبان تھے۔ وہ ان کی مرضی کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ایک طرف یہ تین عیار تھے اور دوسری طرف اکیلی قلوپطرہ۔ اسے ایک بھی اچھا مشیر میسر نہیں تھا۔ عنانِ حکومت قلوپطرہ کے ہاتھ میں تھی لیکن درحقیقت مصر کے اصل حاکم یہی تین افراد تھے اور کلی طور پر سیاہ سفید کے

مالک تھے۔ ان کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا تھا۔ قلوپطرہ یہ سب دیکھتی اور دل ہی دل میں کڑھتی تھی۔ اسے شدت سے خواہش تھی کہ اسے کوئی مضبوط سہارا میسر آجائے تو وہ ان تینوں کی چھٹی کرسکے۔

○☆○

روم ان دنوں سپر پاور کی حیثیت رکھتا تھا۔ جیسے کہ آج امریکا ہے۔ اس کی داخلی سیاست کا اثر پوری دنیا پر پڑتا تھا۔ روم کی خوش قسمتی تھی کہ اسے بیک وقت پومپی اور جولیس سیزر جیسے عظیم جرنیل ملے اور اس کی بدقسمتی کہ یہ دونوں آپس میں الجھ گئے۔ ایک نیام میں دو تلواریں بھلا کیونکر سما سکتی تھیں۔ حرص اور لالچ نے ان دو عظیم جرنیلوں کو جنگ پر مجبور کردیا۔ ان میں سے ہر ایک روم کا مختار کل بننا چاہتا تھا۔ خاص طور سے سیزر جو شہنشاہی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ پومپی نے فیصلہ کن جنگ کے لیے اردگرد سے اپنے محفوظ دستے طلب کرلیے تھے۔ ان میں مصر میں متعین فوجی دستے بھی تھے۔ لہٰذا اس نے اپنے بیٹے پومپیس کو مصر روانہ کیا۔ اس نے شاہی محل میں قلوپطرہ سے ملاقات کی۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ نوجوان پومپیس قلوپطرہ کے حسن سے متاثر نہ ہوا ہو مگر یہ نہیں معلوم کہ ان میں کوئی لطیف تعلق پروان چڑھا بھی تھا یا نہیں۔ ویسے بھی پومپیس عجلت میں تھا۔

اس دوران میں قلوپطرہ اور اس کے بھائی کے درمیان اختلافات کشیدگی کی حدوں کو چھونے لگے تھے۔ شہزادہ ظاہر ہے اپنے تین مشیروں کے ہاتھ میں کھیل رہا تھا۔ دوسری طرف قلوپطرہ اکیلی تھی اور اسے غالباً عمائدینِ مملکت کی حمایت بھی نہیں حاصل تھی۔ اس کشمکش میں ایک موقع ایسا آیا کہ قلوپطرہ کے لیے تخت تو ایک طرف رہا، خود کو بچانا بھی ممکن نہ رہا اور وہ ملک سے فرار ہوگئی لیکن اس عالی ہمت عورت نے وہ بزدلی نہیں دکھائی جو اس کے باپ نے دکھائی تھی۔ وہ شام گئی۔ وہاں اس نے کثیر فوج اکٹھا کی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے ساتھ اس کے حامی اور خزانہ بھی تھا اور جیسے ہی اسے مطلوبہ طاقت میسر آئی، اس نے مصر کا رخ کیا۔ جہاں شہزادہ اور اس کے حامی فوج لیے قلوپطرہ کے منتظر تھے۔ یہ جگہ موجودہ پورٹ سعید کے قریب ہے۔ جہاں اس دور میں ایک وسیع و عریض میدان میں پیلوشیم کا قلعہ تھا۔ قلعے کے ساتھ ہی بندرگاہ تھی۔ یہ شام کی ساحلی پٹی کے متوازی مصر کی پہلی بندرگاہ تھی اور ظاہر ہے کہ بہت اہمیت رکھتی تھی۔ شہزادہ اس قلعے میں موجود تھا۔ جلد دونوں فوجیں صف آرا ہوگئیں۔

لیکن اس سے پہلے کہ طبلِ جنگ بجتا، پیلوشیم کے ساحل پر ایک جنگی بحری جہاز نمودار ہوا۔ جس پر پومپی اعظم کا پرچم لہرا رہا تھا۔ وہ فارسلیا کے مقام پر ہونے والی خون ریز جنگ میں شکست کھا کر مصر کی طرف بھاگا تھا تاکہ یہاں پناہ حاصل کرکے اپنی فوجی قوت اکٹھا کرسکے۔ پومپی کی آمد نے جنگ کو وقتی طور پر ٹال دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ قلوپطرہ اور شہزادہ دونوں ہی اس عظیم الشان شخص سے مرعوب بھی تھے اور خوف زدہ بھی۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں پومپی مصر پر ہی نہ قابض ہوجائے۔ بے شک اسے میدانِ جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن اس کی عظمت سے انکار ممکن نہیں تھا۔ دوسرا خوف جو قلوپطرہ اور شہزادے کو لاحق تھا۔ وہ یہ کہ پومپی کے تعاقب میں جولیس سیزر بھی مصر کا رخ کرے گا اور یہ سرزمین ان رومی دیوتاؤں کی رزم گاہ بن جائے گی۔ پومپی فی الوقت لاچار اور شکست خوردہ تھا لیکن اس کی طاقت محفوظ تھی۔ خاص طور سے اس کا بحری بیڑا پھر سلطنت روما بھی اس کی پشت پر تھی۔ دوسری طرف جولیس سیزر کی اقبال مندی سے بھی انکار ممکن نہیں تھا اور اس بات کے آثار تھے کہ وہ رومی حکومت پر غالب آجائے۔

قلوپطرہ نے کسی قسم کے اضطراب کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن شہزادہ بے چین تھا اور اس سے زیادہ اس کے مشیر جنہیں پومپی اپنے اقتدار کے لیے خطرہ محسوس ہورہا تھا۔ لہٰذا جب پومپی نے شہزادے سے پناہ اور امداد طلب کی تو اس نے اپنے مشیروں سے مشورہ مانگا۔ بدمعاش تھیوڈوٹس نے کہا کہ۔۔۔

"پومپی کو انکار یا اقرار سے بہتر ہے اسے قتل کردیا جائے۔ انکار کرکے ہم اسے اپنا دشمن بنالیں گے اور وہ قلوپطرہ سے جا ملے گا اور اقرار کی صورت میں ہمیں جولیس سیزر سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس کے برعکس ہم پومپی کا خاتمہ کرکے اپنے ایک دشمن کو ختم کردیں گے اور دوسرے دشمن کو اپنا دوست بنالیں گے۔"

اس تجویز کو شرمناک ہی کہا جاسکتا تھا کیونکہ پومپی نے ہمیشہ روم کی حکومت کے سامنے مصر کی خود مختاری کی حمایت کی تھی اور یہ اس کا احسان تھا۔ اس کے برعکس سیزر کی حریص نظریں ہمیشہ مصر پر مرکوز رہیں اور اس نے مصر کی خود مختاری کو صرف اس وقت تسلیم کیا جب وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوا۔ رشوت لے کر یا حالات کی وجہ سے۔

پومپی لبِ ساحل اپنی قسمت کے فیصلے کا منتظر تھا۔ اسے اطلاع مل چکی تھی کہ کیٹو نے اس کے منتشر لشکر کو

دوبارہ منظم کرلیا تھا اور اس کا بحری بیڑا بھی محفوظ تھا۔ اس کے باوجود پومپی مصر کی اعانت کا خواہاں تھا۔ اگر مصر کے ساحل پر اترنے کے بجائے واپس لوٹ جاتا تو شاید تاریخ ہی بدل جاتی لیکن قضا اسے مصر کھینچ لائی تھی۔ پومپی کے خاتمے کی مہم ایکیلاس کے سپرد کی گئی۔ اس نے ایک رومی بحری کپتان سیلوس اور ایک رومی فوجی افسر سیمپلیس کو ساتھ لیا اور یہ تین افراد کشتی میں سوار پومپی کے بحری جہاز تک پہنچے۔ پومپی جہاز کے عرشے پر ان کا منتظر تھا۔ سیمپلیس نے اسے فوجی سلام کیا اور بولا۔

"عالی مقام، کشتی میں اتر کر ساحل کی طرف چلیے۔ شہزادہ ذی وقار نے آپ کی درخواست قبول کرلی ہے۔"

پومپی جانتا تھا کہ ایکیلاس شہزادے کے مشیروں میں شامل تھا۔ وہ بے خوف وخطر کشتی میں اتر آیا لیکن جب اس نے اپنے جہاز کے اردگرد مصری جنگی جہازوں کو منڈلاتے دیکھا تو وہ ٹھٹکا لیکن اب دیر ہوچکی تھی۔ پومپی کے ساتھ اس کا ایک غلام بھی تھا اور جب عین ساحل پر پومپی اترنے والا تھا۔ سیمپلیس نے اس کی کمر میں اپنی تلوار اتار دی۔ وہ ایک آہ بھر کر کشتی میں ڈھیر ہوگیا۔ ذرا سی دیر میں قاتلوں نے اس کا خاتمہ کردیا۔ اس کا دم بخود اور نہتا غلام کچھ نہ کرسکا۔ ایکیلاس نے بے دردی سے پومپی کا سر تن سے جدا کرکے اس کی لاش کو عریاں کرکے سمندر میں پھینک دیا اور سر لے کر قلعے کی طرف چلے گئے۔

ذرا دیر میں لہروں نے لاش کو کنارے پھینکا تو غلام اپنے ذی مرتبت آقا کی عریاں لاش دیکھ کر رو دیا تھا۔ اس نے اپنی قمیص اتار کر لاش پر ڈالی پھر ادھر اُدھر سے لکڑیاں جمع کیں۔ اتفاق سے دو رومی فوجی آگئے۔ جو کبھی پومپی کی ماتحتی میں تھے۔ انہوں نے غلام کی مدد کی اور پومپی کی چتا کو آگ لگائی۔ اگلے روز پومپی کا ذاتی افسر لوشیش لنتوس دو ہزار باڈی گارڈز کے ساتھ ساحل پر لنگر انداز ہوا اور ابھی وہ ساحل پر اترا تھا کہ گھات میں بیٹھے قاتلوں نے اس کا کام بھی تمام کردیا تھا۔

اس کے چند دن بعد سیزر بھی اسکندریہ پہنچ گیا۔ پومپی کے خاتمے اور سیزر کی آمد نے شہزادے اور اس کے لشکر کو اتنا خوف زدہ کیا کہ وہ قلوپطرہ سے مقابلہ کیے بغیر اسکندریہ پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے قلوپطرہ بھی اسکندریہ آگئی۔ شاہی محل پر شہزادہ قابض تھا۔ لہٰذا قلوپطرہ شہر سے باہر ایک جگہ ٹھہر گئی۔ شہزادہ اور اس کے حواری سیزر کی آمد سے بے حد خوف زدہ تھے اور اسے خوش کرنے کے لیے تھیوڈوٹس خود پومپی اعظم کا سر لے کر سیزر کے جہاز پر گیا۔ جو اسکندریہ سے کچھ دور کھلے سمندر میں لنگر انداز تھا۔ سیزر، پومپی کی طرح اعتماد کرنے والا شخص نہیں تھا۔ اسے پومپی کے قتل سے وہی مسرت ہوئی تھی لیکن اس کے عظیم حریف کو جس طرح دھوکے سے اور بے کسی کی موت مارا گیا تھا، اس پر اس نے کھل کر نفرت کا اظہار کیا تھا۔

مکار تھیوڈوٹس نے بھانپ لیا کہ اب میری خیر نہیں ہے۔ لہٰذا وہ مصر سے ہی نکل بھاگا۔ پومپی کے ساتھ بحری جہاز پر اس کی بیوی کارنیلیا بھی آئی تھی اور اس نے اپنے محبوب شوہر کے قتل کا دردناک منظر دیکھا تھا۔ بعد میں سیزر نے پومپی کی راکھ اسے بھجوادی۔ جس نے یہ راکھ پومپی کی آبائی جاگیر میں دفن کرادی۔ پومپی کے سر کو سیزر نے پورے اعزاز کے ساتھ اسکندریہ کی فصیل کے ساتھ دفن کرادیا۔ جہاں بعد میں اس کا مقبرہ بنا۔ ساتھ ہی سیزر نے پومپی کے دو ہزار رومی فوجیوں کو شہزادے کی قید سے آزاد کراکے اپنی فوج میں شامل کرلیا۔

اسکندریہ میں ایکیلاس اور پوتھی نوس سیزر کے ردِعمل سے لرزہ براندام تھے اور انہیں یقین تھا کہ اب ان کی بھی خیر نہیں ہے۔ ان کی کوشش تھی کہ کسی طرح سیزر مصر سے واپس چلا جائے یا موقع لگے تو وہ پومپی کی طرح اس کا بھی کام تمام کردیں لیکن جہاں دیدہ سیزر اتنی آسانی سے ان مکاروں کے دام میں آنے والا نہیں تھا۔ وہ اطمینان سے اپنے بحری جہاز میں مقیم رہا اور جب اس کی پوری فوج مع بحری بیڑے کے آگئی اور اس نے اسکندریہ اور شاہی محل کا انتظام سنبھال لیا تو وہ سکون سے قصرِ شاہی میں اتر آیا۔ شہزادہ اتنا خوف زدہ ہوا کہ دم نہ مار سکا۔

سیزر کے ساتھ صرف چار ہزار افراد تھے جو اسکندریہ میں اُترے تھے باقی افراد کھلے سمندر میں بحری بیڑے پر موجود رہے۔ اس کے مقابلے میں شہزادے کی فوج کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی لیکن اس کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ سیزر کو روکتا یا اس سے جنگ لڑتا۔ سیزر جتنی عجلت میں مصر پہنچا تھا۔ اب اتنے ہی اطمینان سے وہاں بیٹھ گیا۔ اس کا سب سے بڑا حریف پومپی مارا جاچکا تھا مگر اس کا وفادار سپہ سالار اس کی فوجیں جمع کرنے میں مصروف تھا اور اگر اس کے ہاتھ مصر بھی آجاتا تو سیزر کی پوزیشن خراب ہوجاتی۔ اس کا فوری طور پر واپس روم جانا یوں بھی مناسب نہیں تھا کہ پومپی پورے اطالیہ میں مقبول ترین ہستی تھا۔ اس کے قتل اور شکست نے لوگوں کو غم وغصے سے دیوانہ کردیا تھا۔ سیزر کے مخالف ان

جذبات کو ہوا دے رہے تھے۔ لہٰذا وہ معاملہ ٹھنڈا پڑنے تک مصر ہی میں رہنا چاہتا تھا۔

مصری عوام یہ سب بے حد غیظ و غضب سے دیکھ رہے تھے۔ ایک غیر ملکی کا بے باکانہ انداز میں شہر میں گھس آنا اور شاہی محل میں قیام کرنا ان کے نزدیک ان کے قومی وقار کی توہین تھی۔ جلاوطن جرائم پیشہ رومی جو اسکندریہ میں سکون و عافیت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہیں بھی سیزر کی آمد پسند نہیں آئی۔ جلد اس ناپسندیدگی کا نتیجہ برآمد ہونے لگا۔ رومنوں پر اکا دکا حملے شروع ہوگئے۔ اس کے بعد رومی فوجی عام جگہوں پر جانے سے گریز کرنے لگے۔ محل میں فروکش ہو کر سیزر نے بطلیموس چودہ اور قلوپطرہ کو پیغام بھجوایا کہ وہ آپس میں جھگڑنے کے بجائے اس کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کریں۔

شہزادے نے اس بلائے ناگہانی سے پریشان ہو کر ایکیلاس کو پیغام بھیجا کہ وہ فوراً فوجیں لے کر اسکندریہ پہنچے۔ سیزر کو اس کی اطلاع مل گئی۔ اس نے فوراً شہزادے کو خبردار کیا کہ وہ اپنی فوجیں اسکندریہ بلانے کی حماقت نہ کرے اور ایکیلاس کو روکے مگر کم ہمت شہزادہ سیزر کے رعب میں آگیا۔ اس نے دو افراد پیلوشیم کے قلعے کی طرف روانہ کردیے کہ ایکیلاس کو روکے۔ مگر مکار پوتھی نوس نے قاتلوں کے ذریعے ان دونوں افراد کو راہ میں ہی مروا دیا۔ یوں شہزادے کا پیغام نہ پہنچ سکا اور ایکیلاس بیس ہزار کی بھاری جمعیت لے کر اسکندریہ آن پہنچا۔ سیزر گرگ باراں دیدہ تھا۔ اس نے اپنی مختصر فوج کو صرف اتنے حصے تک محدود رکھا جس کا وہ دفاع کرسکے اور خود شاہی محل میں مقیم رہا تاکہ بوقتِ ضرورت فوراً بجرے کے ذریعے فرار ہوسکے پھر اس کے پاس چار ہزار آزمودہ کار اور جفاکش سپاہی تھے۔ جن کے سامنے ان بیس ہزار افراد کی خاص اہمیت نہیں تھی۔ جن میں اکثر یورپ کے ساحلی علاقوں کے بدمعاش تھے۔ جو مالِ غنیمت کے چکر میں آئے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ حبشی دستے تھے اور کچھ آرام طلب مصری سپاہی تھے مگر سیزر انہیں اہمیت دینے کو تیار نہیں تھا کیونکہ شہزادہ اور پوتھی نوس اس کے قبضے میں تھے۔ وہ قلوپطرہ کے انتظار میں تھا لیکن وہ اتنی بے وقوف نہیں تھی کہ قصرِ شاہی تک جانے کے لیے ایکیلاس کے لشکر کے بیچ سے گزرتی۔ جس نے قلعے اور قصر کے چاروں طرف ڈیرے ڈال رکھے تھے۔

قلوپطرہ ان دنوں بے حد نازک دور سے گزر رہی تھی۔ ایک تو اس کی فوج پہلے ہی شہزادے کے مقابلے میں کم تھی اور پھر کرائے کے یہ سپاہی آہستہ آہستہ اس کے لشکر سے غائب ہو رہے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ اب جنگ ہوئی تو اسے شکست فاش کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا اس کے بچاؤ کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ کسی طرح سیزر کو اپنی حمایت پر آمادہ کرلے۔ اسے حسن و شباب کی قوتِ تسخیر پر پورا بھروسا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ایک دلکش عورت وہ کام کرسکتی ہے جو کئی با اختیار اور طاقت ور مرد مل کر بھی نہیں کرسکتے بعد میں اس کا یہ خیال درست ثابت ہوا تھا۔

قلوپطرہ کے لیے مسئلہ یہ تھا کہ سیزر تک رسائی حاصل کرے۔ جو اس کی اطلاعات کے مطابق شاہی محل میں شہزادے کے ساتھ ہی فروکش تھا اور یقیناً شہزادہ اسے اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوششوں میں لگا ہوگا۔ وہ جتنی تاخیر کرے گی۔ وہ خود اس کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگی مگر قصر تک رسائی ایک آگ کے دریا کو عبور کرنے کے مترادف تھی۔ اگر وہ ایکیلاس کے لشکر سے صحیح سلامت گزر بھی جاتی تو لازماً قلعے اور قصر کے محافظ اسے پہچان لیتے اور اسے وہیں تہ تیغ کردیتے۔ ان کی نگاہوں سے بچ کر قصر اور پھر سیزر تک رسائی ناممکن ہی تھی۔ یہ دراصل قلوپطرہ کی غلط فہمی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ قلعہ اور قصر ابھی شہزادے کے قبضے میں ہے اور سیزر وہاں مہمان ہے۔ حالانکہ خود شہزادہ اور اس کا خواجہ سرا مشیر پوتھی نوس ایک طرح سے سیزر کی قید میں تھے اور قصر اور قلعے میں سیزر کی سپاہ موجود تھی۔

کوئی راہ... نہ پاکر قلوپطرہ نے ایک جرأت مندانہ فیصلہ کیا۔ یہ اس کی عالی ہمت اور ذہانت کی دلیل بھی تھا کہ اس نے ایک بند فصیل میں چور دروازہ ڈھونڈ نکالا۔ وہ بھیس بدل کر اپنے کچھ غلاموں کے ہمراہ کشتی میں قلعے کی دیوار کے نیچے پہنچی۔ وہاں اس نے خود کو ایک قالین میں لپٹوایا اور پھر غلام اسے قالین سمیت اٹھا کر قصر میں لے گیا اور سیزر کے سامنے پیش کردیا تھا۔ جب اپالوڈورس نے قالین کھولا اور اس میں سے نازک اندام و دلکش قلوپطرہ برآمد ہوئی تو سیزر دم بخود رہ گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ قلوپطرہ اس تک پہنچنے کے لیے اپنی جان پر کھیل جائے گی اور اس کی اس ادا نے سیزر کو تسخیر کرلیا تھا۔ یہ وہ کام تھا۔ جو سلطنت روما کے بڑے بھی نہیں کرسکتے تھے۔ پومپی جیسا عظیم جرنیل یہ حسرت لیے دنیا سے رخصت ہوا تھا۔

اس رات قلوپطرہ نے اپنی داستانِ حیات کا ایک ایک ورق سیزر کو ازبر کرا دیا تھا۔ اپنی غریب الوطنی کے قصے اور اپنی روداد جدوجہد۔ سیزر پوری دلچسپی سے یہ داستان سنتا رہا

اور سننے سے زیادہ قلوپطرہ کو پڑھتا رہا۔ وہ عورتوں کا شیدائی تھا۔ خود عورتیں اس پر مکھیوں کی طرح گرتی تھیں لیکن ان کی حیثیت اس کے نزدیک کھلونے سے زیادہ نہیں تھی۔ جب تک دل چاہا کھیلا اور جب جی بھر گیا تو اٹھا کر پھینک دیا یا توڑ دیا مگر قلوپطرہ اسے تمام عورتوں سے مختلف لگی تھی۔ صبح تک وہ قلوپطرہ کے حق میں فیصلہ دے چکا تھا۔

○☆○

بنیادی طور پر یہ سرگزشت قلوپطرہ کی ہے مگر اس میں جولیس سیزر کا کردار بھی مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ درحقیقت یہ جولیس سیزر ہی تھا جس نے بطلیموس خاندان کی ایک عام سی شہزادی کو شہرۂ آفاق قلوپطرہ بنا دیا تھا اگر وہ اس کی حمایت نہ کرتا تو اس کا بھائی اسے مغلوب کر کے اپنی خاندانی روایات کے عین مطابق تہ تیغ کر دیتا اور تاریخ کا مؤرخ قلوپطرہ کو سرسری انداز میں بیان کر کے گزر جاتا۔

اس بنا پر جولیس سیزر کے پس منظر کے بارے میں مختصر بیان ہو جائے۔ روم کا یہ عظیم شخص ۱۰۲ ق م میں پیدا ہوا۔ بچپن سے شاہانہ مزاج رکھتا تھا۔ رئیسوں والے تمام شوق تھے۔ کھیلوں اور خطروں کا دیوانہ تھا۔ لہٰذا ایسے کھیل پسند کرتا جن میں خطرات ہوں۔ اعلیٰ درجے کا شہسوار تھا۔ چاق و چوبند سپاہی، تمام اقسام کے مروجہ ہتھیاروں کو یکساں مہارت کے ساتھ استعمال کرتا تھا۔ بے حد باحوصلہ اور جاہ پسند شخص تھا اور آغازِ جوانی سے اس کے ذہن میں روم کا شہنشاہ بننے کا سودا سمایا ہوا تھا۔ جسمانی طور پر چھریرا تھا اور قد متوسط تھا۔ اپنی دلیری و جانبازی کے سبب نوعمری میں ہی رومی فوج میں نمایاں مقام حاصل کر چکا تھا۔ محض اکیس برس کی عمر میں اسے سینیٹ نے سنہری تمغہ دیا تھا۔ جو موجودہ برطانوی وکٹوریہ کراس کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ کمان دار کی حیثیت سے دورانِ جنگ ہمیشہ صف اول میں موجود رہتا اور اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھاتا رہتا۔ اسے فرار یا بزدلی سے نفرت تھی۔

خالص رومی ناک نقشے اور سفید رنگت کے ساتھ وہ وجیہہ شخص تھا۔ عورتوں میں اس کی مقبولیت مسلم تھی۔ آرائش پسند تھا۔ بال سنوار کر رکھتا۔ خوشبوجات بے دریغ استعمال کرتا۔ اس کا جسم ہر وقت خوشبو کا منبع بنا رہتا تھا۔ اسے قیمتی جواہرات اور موتیوں سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ جہاں کوئی اچھا پتھر یا غیر معمولی موتی نظر آتا۔ اسے منہ مانگی قیمت پر خرید لیتا مگر جمع کرنے کے بجائے انہیں کسی داشتہ یا دوست کو تحفے میں دے دیتا۔ بلا کا فضول خرچ تھا۔ اس کا قول تھا کہ دولت خرچ کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مقروض رہتا تھا۔

جولیس سیزر ایک جسم سے زیادہ دماغ تھا۔ اس کی بے پناہ قوتِ ارادی، دماغی صلاحیت اور دلیری اسے ایک غیر معمولی شخص بناتی تھی۔ وہ مشکل ترین حالات میں بھی اوسان بحال رکھتا تھا۔ پسپائی قبول کرنا یا شکست تسلیم کرنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ ایک محاذ پر ناکامی اس کے عزائم کو تیز کرتی تھی اور وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے پہلے سے زیادہ سرگرم ہو جاتا تھا۔ وہ جتنا عظیم جرنیل تھا، اتنا ہی اچھا سیاست داں۔ اپنے مہرے ہمیشہ سوچ سمجھ کر استعمال کرتا۔ منصوبہ بناتے وقت وہ خود کو برف بنا لیتا تھا اور جب اس منصوبے پر عمل کرتا تو سراپا آگ بن جاتا۔ کامیابی کے حصول کے لیے وہ سب کر سکتا تھا۔ اصول اور اخلاق اس کے نزدیک اضافی اشیا تھیں۔ جن کے نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

وہ عوام اور خواص کا نبض شناس تھا۔ ہمیشہ حالات کا رخ دیکھ کر بات کرتا تھا اور لوگوں کے دل جیت لیتا تھا۔ معروف مؤرخ پلوٹارک کے الفاظ میں روم میں کوئی شخص پیدا نہیں ہوا جو جولیس سیزر سے زیادہ جاہ پسند ہو۔ اس کے باوجود وہ اپنے عزائم ہمیشہ اپنے دل میں رکھتا تھا۔ ایک سیاست داں کی حیثیت سے وہ تقریر کرنے کا ماہر تھا۔ الفاظ کے چناؤ اور جذبات انگیزی میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ وہ ایسا مقرر تھا جو لوگوں کے دلوں میں اپنے الفاظ سے آگ لگا دیتا۔ سینیٹ میں بارہا ایسا ہوا کہ سیزر کی تقریر سے پہلے جس مسئلے کی سینیٹ مخالفت کر رہی ہوتی تھی، اس کی تقریر کے بعد سب اس کی حمایت پر آمادہ ہو جاتے۔

سیزر کے تمام اوصاف ایک طرف لیکن اس میں بہت ساری انسانی کمزوریاں بھی تھیں، وہ لالچی تھا۔ اسے ہمیشہ دولت کی ہوس رہتی تھی۔ دوسری طرف وہ بلا کا فضول خرچ تھا۔ دولت کو پانی کی طرح بہاتا تھا اور جب رقم خرچ ہو جاتی تو بے دریغ بھاری سود پر قرض لیتا اور اسے بھی خرچ کر ڈالتا پھر ایسے طریقے تلاش کرتا جن سے مزید دولت حاصل کر سکے۔ اس کی اکثر جنگی مہمات کا مقصد صرف دولت کا حصول تھا۔ اس نے اسپین، جرمنی اور برطانیہ پر صرف دولت کے لیے چڑھائی کی۔ ایک زمانے میں وہ مستقل سینیٹ پر زور دیتا رہا کہ مصر پر فوج کشی کر کے اس پر قبضہ کر لیا جائے۔ تان اس پر ٹوٹتی تھی کہ اس مہم کا سپہ سالار اسے بنا دیا جائے۔ اس کی نظر مصر کے عظیم خزانوں پر مرکوز تھی۔ اسے معلوم تھا کہ

اس ملک کے مندر اور بادشاہوں کے مقبرے مال و زر سے بھرے ہوئے تھے اور انہیں لوٹ کر وہ بے اندازہ دولت حاصل کر سکتا تھا۔ اس دولت کے بل پر وہ اتنی طاقت حاصل کر لیتا کہ پھر کوئی اسے روم کا بادشاہ بننے سے نہیں روک سکتا تھا مگر سینیٹ والے اس کے عزائم بھانپ گئے تھے پھر پومپی جیسا ہر دل عزیز شخص مصر پر فوج کشی کے خلاف تھا لہٰذا سیزر کو اجازت نہ مل سکی۔

سیزر کی دوسری کمزوری جس نے اسے تمام عمر بدنام رکھا، وہ اس کی عیش پسندی تھی۔ وہ اس حد تک بدنام تھا کہ اس کے دوست اور جاننے والے بھی اس سے اپنی بیویوں اور رشتے دار عورتوں کو چھپاتے تھے۔ وہ جوانی میں ہی لہو و لعب کا عادی ہو گیا تھا اور اس کی شکار عورتوں کی تعداد کا اندازہ لگانا دشوار ہے۔ اس نے اتنی عورتوں سے اور ایسی عورتوں سے تعلقات رکھے کہ لوگ بھی حیران رہ گئے۔ ان میں نوخیز لڑکیوں سے لے کر ادھیڑ عمر عورتیں تک شامل تھیں۔ معمولی کنیزیں بھی تھیں۔ روم کی معزز خواتین اور قلوپطرہ جیسی شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی شہزادیاں بھی۔ سیزر اخلاقی قدروں کا سرے سے قائل نہیں تھا۔ عورت اس کے نزدیک محض عورت تھی۔ اسے قطعی غرض نہیں ہوتی تھی کہ وہ کسی کی بیوی، بہن، بیٹی اور ماں ہے۔ دوستوں کی بیویوں سے کھلے بندوں عشق کے پیچ لڑاتا۔ حتیٰ کہ اس کی اپنے عزیز ترین دوست بروٹس کی ماں سے بھی آشنائی تھی۔ اس کھیل میں اس نے سیاسی مصلحتوں کو بھی بالائے طاق رکھ دیا اور بہت سارے ایسے لوگوں کی دشمنی مول لے لی جن کی دوستی کی اسے اشد ضرورت تھی۔ ان میں پومپی کی کار نیلیا بھی شامل تھی۔ جسے اس نے اپنی محبت کے جال میں پھانس لیا اور پومپی جیسے شخص کو اپنا دشمن بنا لیا۔ عشق و محبت کے کھیل میں وہ حماقت کی حد تک اندھا ہو جاتا تھا۔

اپنی رنگینیِ طبع کے ہاتھوں اس نے سیکڑوں گھر برباد کیے۔ کتنی ہی عورتوں نے اس کے پیچھے اپنے شوہروں سے طلاق لے لی۔ اس کے تعلقات روم کے اتنے معزز لوگوں کی بیویوں سے تھے کہ حیرت ہوتی ہے۔ وہ زندہ کیونکر رہا۔ اس کے کسی غیرت مند حریف نے اسے دن دہاڑے یا رات کی تاریکی میں قتل کیوں نہیں کر دیا۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ رومی معاشرہ غیرت و حمیت سے محروم ہو چکا تھا۔ مزے کی بات ہے کہ ان آشنائیوں سے اسے نقصان کے بجائے فائدہ ہوا تھا۔ یہ معزز خواتین اس کی سیاسی ترقی کے لیے زینہ ثابت ہوتی تھیں اور ان کے توسط سے سیزر تک وہ راز پہنچ جاتے تھے جو ان کے شوہر سب سے چھپاتے تھے۔ اس نے ان کا بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

اپنے شہنشاہیت کے خواب کو پورا کرنے کے لیے اسے رومی عوام کی حمایت کی ضرورت تھی۔ وہ انہیں اپنا ہم نوا بنانے کے لیے بے دریغ دولت لٹاتا۔ اس نے روم میں بے شمار تھیٹر قائم کیے۔ اکھاڑے اور اسٹیڈیم بنائے جن میں عوام کی تفریح کے لیے وہ انسانوں اور جانوروں کے خون ریز مقابلے منعقد کراتا۔ اسے دعوتیں کرنے کا بے انتہا شوق تھا اور ایک وقت میں اس کے دسترخوان پر دس ہزار افراد کی موجودگی عام سی بات ہوتی تھی۔ ان دعوتوں نے کئی بار اسے قلاش کر دیا وہ دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ گیا لیکن قدرت اس پر مہربان تھی۔ اسے کہیں نہ کہیں سے رقم مل جاتی تھی۔ وہ قرض بھی مزید قرض لے کر ادا کرتا تھا۔ آغازِ جوانی ہی میں وہ تین لاکھ پاؤنڈ کا مقروض تھا۔ اس نے یہ قرض فرانس میں لڑائیوں سے ہونے والے مالِ غنیمت سے ادا کیا۔ اس کے اکثر قرضے مفتوحہ ممالک کی تباہ حال رعایا کو ادا کرنے پڑے تھے۔

سیزر کی سب سے بڑی کمزوری اس کی جاہ پسندی تھی۔ وہ بہرصورت نمبرون رہنا چاہتا تھا۔ معاملہ میدانِ جنگ کا ہو یا کارزارِ سیاست کا۔ کہیں بھی دوسرا درجہ اسے برداشت نہیں تھا۔ بالادست حریف تو اس کے لیے قطعی ناقابلِ برداشت تھا اور جب تک وہ اسے زیر نہیں کر لیتا یا اس دنیا سے ہی رخصت نہ کر لیتا اسے چین نہیں آتا تھا۔ اس کی جاہ پسندی اس حد تک بڑھی کہ اس نے کہا۔

"میں کسی تباہ شدہ اور معمولی گاؤں کا سب سے بڑا آدمی بننا پسند کروں گا۔ بہ نسبت روم میں دوسرے نمبر کا آدمی ہونے کے۔" یہ جملہ اس کے کردار کی جھلک دکھاتا ہے۔

وزارتِ عظمیٰ کے انتخاب کے موقع پر اس کے سیاسی حریف کیسولس نے اسے ایک لاکھ پاؤنڈز اس پیغام کے ساتھ بھیجے کہ وہ اس کے حق میں دست بردار ہو جائے۔ ان دنوں سیزر قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا مگر اس نے اپنے حریف کی پیشکش حقارت سے ٹھکراتے ہوئے کہا "میں دو لاکھ پاؤنڈز قرض لے کر انتخاب لڑ رہا ہوں۔"

ان دنوں روم میں ووٹوں کی خرید و فروخت عام سی بات تھی۔ سیزر تو سیاسی برتری حاصل کرنے کے لیے شرم ناک حربے استعمال کرنے سے نہیں چوکتا تھا۔ اس نے اپنے سیاسی حریف سیسرو کی ہر دل عزیزی سے خائف ہو کر اس کے خلاف منصف کے عہدے کے انتخاب میں کلوڈیس نامی

بدمعاش کی حمایت کی۔ جو اپنی بدکرداری کی وجہ سے بے حد بدنام تھا۔ سیزر کی بیوی پومپیا کی اس نوجوان سے آشنائی تھی اور سیزر نے یہی الزام عائد کرکے پومپیا کو طلاق دی تھی اور پھر اسی شخص کو ایک شریف اور ذی حیثیت رومی کے مقابلے میں منصف کے عہدے پر کامیاب کرا دیا۔ اس سے سیزر کے سیاسی اخلاق کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

صرف ایک یہی واقعہ نہیں بلکہ سیزر کے دامن پر اس جیسے کئی واقعات داغ کی طرح موجود رہے تھے۔ اس نے پہلی شادی کوسوشیا نامی مال دار عورت سے کی۔ وجہ اس کی دولت تھی مگر بعد میں اس کا دل کور نیلیا نامی حسینہ پر آگیا تو اس نے جھٹ کوسوشیا کو طلاق دے دی۔ کور نیلیا سلا نامی خطرناک رومی سردار کی بیٹی تھی اور اس نے اپنی بیٹی کو سیزر جیسے ہرجائی سے بچانے کی بے حد کوشش کی۔ بعد میں دستِ اجل نے کور نیلیا کو سیزر سے جدا کردیا۔ اس کے بعد سیزر نے پومپی سے قریب ہونے کی کوشش کی اور اس کی رشتے دار پومپیا سے شادی کرلی مگر کچھ عرصے بعد اسے بھی طلاق دے کر کلپورینا سے شادی کرلی۔ جو کلپورنیس جیسے نفسیاتی اور جنسی مریض کی بیٹی تھی۔ اس شخص کو روم کی گند کہا جاتا تھا۔ اس کی بے ہودہ نظموں کے پورے یورپ میں چرچے تھے۔ طاقت کے حصول کے لیے سیزر نے کلپورنیس کو کونسلر بنوا دیا۔ اس پر پومپی اور کیٹو نے سیزر پر سخت تنقید کی۔ جو سیاست میں بدنام لوگوں اور عورتوں کی مدد سے آگے بڑھ رہا تھا۔

اس شورو غوغا کو دبانے کے لیے سیزر نے کلپورینا کو طلاق دے دی اور پھر پومپی کی بیٹی سے شادی کرلی۔ یہ لڑکی پہلے سلا کی بیوی تھی۔ سلا سے زبردستی طلاق دلوائی گئی اور پھر سیزر سے اس کی شادی ہوئی۔ یہی نہیں بلکہ سیزر نے پومپی کا منہ بند رکھنے کے لیے اپنی بھتیجی آکٹویا... کی شادی اس سے کردی۔ ہے ناں ستم ظریفی، مخالفین سیزر پر جس کام کا الزام لگا رہے تھے، اس نے اس کام کے ذریعے ان کا منہ بند کردیا۔ یہ سیزر کی فطرت کا ایک اور پست ترین پہلو تھا۔

ایک طرف تو ایسی بداخلاقی پستی کہ آگے بڑھنے کے لیے بے دریغ عورتوں کا سہارا لیتا تھا۔ دوسری طرف اس کی بے خوفی اور دلیری میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ میدانِ جنگ میں ہمیشہ آگے آگے رہتا۔ ایک دفعہ غلطی سے قزاقوں کے ہتھے چڑھ گیا اور انہوں نے تاوان کے طور پر پانچ ہزار پاؤنڈز مانگے۔ اس پر اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"تم لوگ میری توہین کررہے ہو۔ میرا زر خرید کم سے کم بارہ ہزار پاؤنڈز ہونا چاہیے۔"

قزاق حیران رہ گئے کہ یہ کیسا شخص ہے جو تاوان کی رقم کم کرانے کے بجائے اس میں اضافہ کررہا ہے۔ وہ اس سے مرعوب بھی تھے اور خوف زدہ بھی کیونکہ وہ ان سے قطعی خوف زدہ نہیں تھا۔ الٹا وہ انہیں دھمکا تا کہ مجھے آزاد ہو لینے دو پھر دیکھنا۔ ایک ایک کو پھانسی نہ دی تو سیزر نام نہیں اور اس نے رہا ہوتے ہی ایک فوجی دستہ لیا اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھا جب تک تمام قزاقوں کو نہ پکڑ لیا اور پھر انہیں اپنی دھمکی کے عین مطابق نہایت ذلت سے سولی دے کر ہلاک کردیا۔ رومنوں کے سولی دینے کا انداز ایسا تھا کہ بڑے بڑے دل گُردے والے اس سے پناہ مانگتے تھے۔

سیزر کو خون ریزی سے بے انتہا دلچسپی تھی۔ جنگوں میں ہزاروں آدمی اس نے خود قتل کیے تو لاکھوں اس کے حکم پر مارے گئے۔ انسانی جان اس کے نزدیک ایک کھیل تھی۔ جس سے وہ اکثر ضرورت بے ضرورت کھیلتا تھا۔ اکثر لڑائیوں میں فتح حاصل کرنے کے بعد اس نے جنگی قیدیوں کے سیدھے ہاتھ کٹوا دیے تاکہ وہ پھر ہتھیار نہ اٹھا سکیں۔ ایک موقع پر اس نے صلح کے بہانے مخالف قبائل سے ہتھیار ڈلوا کر ان کا بے دریغ قتل عام کروا دیا۔ اس قتل عام میں کم و بیش ساڑھے چار لاکھ مرد و زن اور بوڑھے بچے قتل ہوئے۔ یہ درندگی کی ایسی مثال تھی کہ خود روم والے چیخ اٹھے تھے اور سیزر کو سزا دینے کا مطالبہ کیا گیا لیکن جب وہ فاتحانہ روم واپس آیا تو لوگ سب بھول گئے۔ فرانس میں اس نے دس سال تک لڑائیوں میں دس لاکھ افراد قتل کیے اور اتنے ہی غلام بنائے۔

ان سب کمزوریوں کے باوجود سیزر کی عالی ہمتی میں کوئی شک نہیں تھا۔ وہ لوگوں کا نبض شناس تھا۔ ادنیٰ و اعلیٰ کی پروا کیے بغیر ان میں گھل مل جاتا۔ ان کے ساتھ کھیلتا یہی وجہ تھی کہ اس کے سپاہی اس پر جان چھڑکتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ کھاتا پیتا۔ صعوبتیں برداشت کرتا۔ وہ اپنے سپاہیوں سے جس چیز کا مطالبہ کرتا۔ پہلے وہ خود اسے کرکے دکھاتا تھا۔ ایک طرف حد سے زیادہ نازک مزاج تھا کہ ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دے لیکن جب ضرورت پڑتی تو فرش پر بھی سو جاتا اور سادہ ترین کھانا بھی شوق سے کھالیتا۔ جھوٹا موٹا پہن لیتا۔ اسے احساس تھا کہ اس سے اس کی عظمت اور حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا اور یہ حقیقت بھی۔ روم میں مخالفین ایک طرف اس کی شخصیت سے پریشان تھے اور دوسری طرف عوام میں اس کی مقبولیت سے، فرانس، جرمنی، اسپین اور برطانیہ میں محاذ آرائیوں سے اس نے رومی سلطنت کے وقار کو چار چاند لگا دیے تھے۔ وہاں کے خزانے روم لاکر اس نے روم میں سونے چاندی کی ایسی ارزانی کردی تھی کہ اس سے

پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ وہ پہلے بھی روم کے بڑوں میں شامل تھا اور پومپی کے قتل کے بعد وہ بلاشبہ روم کا مختار مطلق بن چکا تھا۔

○☆○

مصر ایک بے آب و گیاہ ملک ہے۔ جس میں زندگی کی تمام حرارت دریائے نیل کی مرہون منت ہے۔ اس کا پانی ملک کی اقتصادی رگ میں خون کی طرح بہتا ہے۔ اس بنا پر مصر کو تحفۂ نیل بھی کہتے ہیں مگر یہ کہنا غلط ہوگا کہ مصر کی تمام تر اہمیت نیل کی وجہ سے ہے۔ مصر کی جغرافیائی اہمیت بھی کم نہیں ہے۔ باوجود ایک افریقی ملک ہونے کے زمانۂ قدیم سے ہی مصر کو ایشیائی ممالک میں داخلے کی کنجی سمجھا جاتا تھا۔ خاص طور سے تجارتی جہاز رانی میں اس کی بے انتہا اہمیت تھی۔ یورپ سے ایشیا تک رسائی کا یہ سب سے محفوظ راستہ تھا۔ ورنہ ایشیائے کوچک پر روم کے ازلی دشمن ایران کا قبضہ تھا اور شام کا راستہ وہاں کے غیر یقینی سیاسی حالات کی وجہ سے ہمیشہ غیر محفوظ رہتا تھا۔ درحقیقت ان دنوں زمینی تجارت نہ ہونے کے برابر تھی اور سامانِ تجارت زیادہ تر سمندری راستوں سے آتا جاتا تھا۔

یورپ کے تاجر اسکندریہ یا قاہرہ کے قریب قائم دریائی بندرگاہ تک آتے تھے۔ وہاں سے کچھ مسافت زمینی راستے کی طے کر کے بحیرۂ قلزم تک جاتے اور پھر یہاں سے افریقہ اور اندرونِ عرب کے متعدد علاقوں کے علاوہ وہ بہ آسانی ہند اور مشرقِ بعید کے ممالک تک رسائی حاصل کر لیتے۔ ایک پڑاؤ اور ایک دروازے کی حیثیت سے مصر کی اہمیت کے لیے صرف یہی ایک نقطہ کافی ہے۔ مصر کے بغیر ایشیا اور یورپ کی تجارتی منڈیوں میں رابطہ ناممکن تھا۔

جب بحیرہ روم کی تجارت رومنوں کے ہاتھ آئی، ان کے جنگی اور تجارتی بیڑے اس سمندر پر دندنانے لگے تو قدرتی طور پر ان کی نگاہیں مصر کی جانب اٹھنے لگیں۔ جو اس تجارت میں مالی فوائد حاصل کر رہا تھا۔ بغیر کچھ کیے۔ محض اپنی قدرتی جغرافیائی پوزیشن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ یہ بات روم کو ناگوار گزرتی تھی پھر مصر صرف تجارتی کنجی ہی نہیں تھا بلکہ یہ ایشیا اور افریقہ میں رومنوں کے لیے فتوحات کے نئے در کھول دیتا۔ صدیوں کی آویزش کے بعد رومن یہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ ان کے لیے ایران کو میدان جنگ میں شکست دینا تو ممکن تھا لیکن اس کی عظیم الشان سلطنت اور مضبوط مرکزی نظام کو ختم کرنا ناممکن تھا۔ جیسے ایران کے لیے روم پر قبضہ کرنا ناممکن تھا۔ اس کے برخلاف مصران کے لیے تر نوالے کی حیثیت رکھتا تھا لیکن جب روم مصر پر قبضے کی سوچتا کوئی نہ کوئی ایسی آفت آن پڑتی کہ وہ مصر

شمالی سماٹرا میں ایک ستائیس سالہ نوجوان نے چھ برس کے عرصے میں 121 شادیاں کیں۔ اس نے یہ شادیاں محض دولت حاصل کرنے کے لیے رچائیں اور اس مقصد کے لیے اس نے کالے جادو کا استعمال کیا!

(عبدالرؤف عدم کی تلاش، راولپنڈی سے)

کو بھول کر اس میں مشغول ہو جاتے۔

سیزر ہمیشہ سے مصر پر قبضے کا حامی تھا۔ اس کے لیے مصر میں سب سے بڑی کشش یہ تھی کہ وہاں کے عوام شاہ پرست تھے اور اس شاہ پرستی میں اتنا آگے بڑھ گئے تھے کہ غیر ملکیوں کو بھی بلاچون وچرا اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے تھے۔ سیزر جیسے جاہ پرست کے لیے یہ حوصلہ افزا امر تھا۔ اس کے باوجود جب سیزر پومپی کے تعاقب میں مصر پہنچا اور اسکندریہ میں ٹھہرا تو اس کا بنیادی مقصد مصر کے حالات کا جائزہ لینا اور وہاں کچھ دن ٹھہر کر آرام کرنا تھا۔ وہ گزشتہ دس سال سے مسلسل معرکہ آرائیوں میں مصروف تھا پھر پومپی جیسے دیو سے زور آزمائی نے اسے بالکل تھکا دیا تھا اور کچھ عمر کا اثر بھی تھا۔ اب وہ بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا اور جوانی جیسی مشقت اس کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔ یورپ میں سردیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ جبکہ اسکندریہ میں جاڑا نرم گرم تھا۔ سورج کی کرنیں دلوں کے ساتھ جسموں کو بھی گرما دیتی تھیں۔ سیزر چاہتا تھا کہ یہ وقت آرام سے اسکندریہ میں گزارے مصر کے حالات کا جائزہ لے اور سب سے بڑھ کر پومپی کے قتل سے جو طوفان اٹھا تھا، اس کی گرد بیٹھ جائے۔ روم میں اس کے حامی مسلسل کام کر رہے تھے اور چن چن کر پومپی کے حامیوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ سیزر چاہتا تھا کہ وہ اس وقت روم جائے جب اس کی بادشاہت کی راہ کے تمام کانٹے دور ہو چکے ہوں۔

مگر مصر آکر سیزر کو محسوس ہوا کہ قدرت خاص طور سے اسے یہاں لائی تھی۔ اسے ایک سنہری موقع دینے۔ اب اس کے سامنے صرف قلوپطرہ ہی نہیں بلکہ پورا مصر سر تسلیم خم کیے موجود تھا اور اگر اس نے اس سنہرے موقع سے فائدہ نہ اٹھایا تو اسے تسخیر مصر کا موقع پھر نہ مل سکے گا۔ قلوپطرہ جیسی بے مثال اور کم سن دوشیزہ اسے بونس میں مل رہی تھی۔ یہ سراسر سیزر کے فائدے کا سودا تھا لیکن متعصب یورپی مؤرخوں نے اسے کچھ ایسے بیان کیا جیسے کم سن اور ناتجربے کار قلوپطرہ نے اپنی عشوہ طرازی کا جادو چلا کر گرگ باراں دیدہ سیزر کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ بعض مؤرخ تو اسے قلوپطرہ

کی گھٹیا چال قرار دیتے ہیں۔ جیسے اس نے تاج و تخت کے عوض اپنا جسم فروخت کردیا۔

مگر حالات کا غیر جانب داری سے تجزیہ کرنے والے اس سارے کھیل میں سیزر کو اصل محرک سمجھتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ قلوپطرہ کو اس وقت سیزر کی حمایت کی اشد ضرورت تھی۔ اسے خطرہ تھا کہ طاقت ور حریف نہ صرف اسے تاجِ مصر بلکہ زندگی سے بھی بے دخل کردیں گے اور یہ خطرہ سو فی صد حقیقی تھا۔ اگر اس کا بھائی اور نام نہاد شوہر اس پر قابو پالیتا تو بلا تاخیر اسے قتل کردیتا۔ خود قلوپطرہ بھی یہی کرتی۔ یہ زندگی اور موت کی جنگ تھی۔ جس میں ہارنے والے کے نصیب میں صرف موت آتی۔ لہٰذا ہر فریق جیتنے کے لیے پورا زور لگا رہا تھا اور فتح کے لیے ہر حربے کو جائز سمجھ رہا تھا۔ شہزادے اور اس کے مکار مشیروں نے سیزر کی حمایت حاصل کرنے کے لیے پومپی کو قتل کیا تو قلوپطرہ نے اپنے حسن و ادا کا جادو آزمایا تو کیا بُرا کیا۔ مؤرخوں کا اسے بدکار اور ہوس پرست عورت قرار دینا کہاں کا انصاف ہے۔ عورت مرد کا انتخاب کرتے ہوئے بہت کچھ دیکھتی ہے اور اسے اس کا حق حاصل ہے۔ قلوپطرہ نے اپنے اس حق کو استعمال کیا اور سیزر کو اپنے دامِ حسن میں الجھالیا لیکن یہ سمجھنا بے وقوفی ہوگی کہ سیکڑوں حسین ترین عورتوں کی قربت سے فیض یافتہ سیزر صرف قلوپطرہ کے حسن و شباب کا شکار ہو کر اس کی حمایت پر آمادہ ہوا تھا۔ اس جیسے شخص سے یہ توقع کرنا محال تھا کہ وہ ایک عورت سے متاثر ہو کر کوئی انتہائی قدم اٹھائے گا اور اگر اس نے قلوپطرہ کی کمزور پوزیشن سے قطع نظر اس کی حمایت کی تھی تو اس لیے نہیں کہ وہ قلوپطرہ کی زلفوں کا اسیر ہوگیا تھا بلکہ اس فیصلے کے پس پشت سیزر کی برسوں پرانی خواہش کارفرما تھی۔ اول مصر پر قبضہ اور پھر اس کے وسائل کی مدد سے روم کی شہنشاہیت حاصل کرنا مگر یہ کہنا بھی بالکل غلط ہوگا کہ اس کھیل میں سیزر نے قلوپطرہ کو صرف ایک مہرے کے طور پر استعمال کیا ہوگا۔ قلوپطرہ جیسی حسین و دلکش عورت سے سیزر جیسا شخص یقیناً متاثر ہوا ہوگا پھر اس تک پہنچنے کے لیے قلوپطرہ نے جس ہمت و دلیری کا مظاہرہ کیا تھا' اس نے سیزر کے دل میں اس کی وقعت پیدا کردی تھی۔

لہٰذا اگلے دن سیزر نے شہزادے کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ وہ قلوپطرہ سے جھگڑنے کے بجائے شاہ مرحوم کی وصیت کے مطابق اس کے ساتھ مل کر کاروبارِ مملکت چلائے۔ اس موقع پر سیزر نے شہزادے کے ساتھ سخت رویہ اپنایا اور اسے وصیت کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیا۔

شہزادے نے واضح طور پر محسوس کیا کہ سیزر پر قلوپطرہ کا جادو چل چکا ہے اور وہ اس کی حمایت کررہا ہے۔ اس کے غم و غصے کی انتہا نہ رہی اور اس نے کمرے سے نکل کر اپنا تاج زمین پر پٹخ کر توڑ دیا اور چلا چلا کر رونے لگا۔ ذرا سی دیر میں یہ خبر شہزادے کی فوج تک جا پہنچی اور اس نے قصرِ شاہی پر حملہ کردیا۔

اس موقع پر سیزر نے سیاست سے کام لیا۔ اس نے باہر نکل کر مشتعل ہجوم سے خطاب کیا اور ان کے جذبات ٹھنڈے کرنے کے لیے وعدہ کیا کہ وہ اس جھگڑے میں دامنِ انصاف ہاتھ سے نہیں چھوڑے گا اور قلوپطرہ اور بطلیموس چودہ کے ساتھ یکساں سلوک کرے گا۔ اس پر مصریوں کے مشتعل جذبات کسی قدر ٹھنڈے ہوئے اور شہزادے کی فوج رک گئی۔ سیزر یہی چاہتا تھا۔ ویسے تو قصر اور قلعے کا دفاع کرنے کے لیے اس کی چار ہزار کی سپاہ کافی تھی مگر اس کے ذہن میں کچھ اور ہی تھا۔ ایک خاص اجلاس میں سیزر نے روم کے نمائندے کی حیثیت سے سابق شاہ مرحوم کی وصیت پڑھی۔ جس میں دونوں بہن بھائیوں کو باہم مل کر حکومت کرنے کو کہا گیا تھا۔ سیزر نے اعلان کیا کہ وہ اس وصیت نامے پر عمل درآمد کرا کے دم لے گا۔

قلوپطرہ بے حد خوش تھی مگر شہزادے کو صاف نظر آرہا تھا کہ اس کی بادشاہت کے دن گنے جا چکے ہیں۔ وہ اچھا خاصا قلوپطرہ کو تخت اور ملک سے بے دخل کرچکا تھا کہ یہ خدائی فوج دار درمیان میں کود پڑا۔ قلوپطرہ اور سیزر کے درمیان گٹھ جوڑ اتنا واضح تھا کہ کسی اندھے کو بھی نظر آجاتا۔ وہی عورت جو کل تک جان بچائے بچائے پھرتی تھی' آج غرور کی تصویر بنی اس کے سامنے موجود تھی کیونکہ اس نے اس شخص کے دل و دماغ کو اپنے قابو میں کرلیا تھا جو قوموں کی تقدیریں سنوارتا اور بگاڑتا تھا۔ جس کے اشارے پر بادشاہ بدل جاتے تھے اور حکومتوں کے تختے الٹ جاتے تھے۔

سیزر کی چال کامیاب رہی۔ اسکندریہ کے عوام مطمئن ہوگئے مگر شہزادہ اور اس کے حواری انگاروں پر لوٹنے لگے۔ وہ سیزر کے خلاف کچھ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔ دوسری طرف سیزر انہیں قطعی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ اس کو فکر صرف قلوپطرہ اور مصری عوام کی تھی۔ وہ بہرصورت دونوں کا دل جیت لینا چاہتا تھا۔ اگر وہ قلوپطرہ کو اپنی مٹھی میں کرلیتا اور عوام کا دل جیت لیتا تو مصر اس کے قبضے میں ہوتا۔ پہلے مرحلے میں وہ خاصی حد تک کامیابی حاصل کرچکا تھا۔ آخر وہ سیزر تھا جس کے پاس عورتوں کو موم کرنے کے سیکڑوں

حربے تھے اور جس کی جوانی حسن و عشق کے معرکوں میں مصروف گزری تھی۔ قلوپطرہ کتنی ہی ذہین اور بلند حوصلہ سہی، تھی تو ایک نادان اور کم سن دوشیزہ جسے ابھی جوانی کے داؤ پیچ کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ وہ بھلا سیزر جیسے تجربے کار شخص کے سامنے کہاں ٹھہرتی۔ چند ہی دنوں میں سیزر کا دم بھرنے لگی تھی۔

جلد سیزر نے وہ حربہ بھی ڈھونڈ نکالا جس سے اہلِ مصر کے دل جیتے جاسکتے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ سابق شاہ مرحوم کے خلاف مصریوں کی برہمی کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس نے قبرص میں اپنی بھائی کی مدد نہیں کی بلکہ جب روم نے قبرص پر قبضہ کرلیا تو اس نے احتجاج بھی نہیں کیا تھا۔ قبرص کو اہلِ مصر ہمیشہ سے اپنے وطن کا ایک حصہ سمجھتے آئے تھے۔ اگر یہ جزیرہ دوبارہ مصری حکومت کے حوالے کردیا جاتا تو مصری سیزر کے بہی خواہ بن جاتے۔ لہٰذا روم کے مختار مطلق کی حیثیت سے اس نے قبرص کو ایک بار پھر مصر میں شامل کرتے ہوئے اسے بطلیموس پندرہ اور شہزادی آرسینو کی جاگیر قرار دیا۔ اس اعلان کے واقعی خوشگوار نتائج مرتب ہوئے تھے۔ اسکندریہ سیزر زندہ باد کے نعروں سے گونجنے لگا۔ چالاک سیزر نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصری حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ سابق شاہ مرحوم کے روم سے لیے قرضوں کی ادائیگی کرے اور ادائیگی کے لیے اس نے یہ طریقہ نکالا کہ اس کی فوج کو مصر کے سرکاری خزانے سے تنخواہ دی جائے۔

مگر سیزر کے مقابل پوتھی نوس جیسا مکار شخص تھا۔ اس نے برابر اس کے خلاف سازشیں جاری رکھیں۔ سب سے پہلے اس نے شہزادے کے ذاتی استعمال کے سونے کے برتن غائب کردیے اور ان کی جگہ شہزادے کے دسترخوان پر مٹی کے برتن رکھے جانے لگے۔ تاکہ مصری عوام کو بتایا جائے کہ سیزر نے ان کے محبوب شاہ کو کس حد تک مفلس کردیا ہے۔ وہ سیزر سے حقارت آمیز سلوک کرتا اور صاف کہتا "حضور والا، بہتر ہوگا آپ روم جاکر بڑے معاملات نمٹائیں۔ یہ چھوٹے موٹے کام ہم غلاموں پر چھوڑ دیں۔"

رومی فوج کو رسد کی فراہمی مصری حکومت کی ذمے داری تھی۔ پوتھی نوس انہیں بدترین خوراک مہیا کرتا تھا اور جب اس سے شکایت کی جاتی تو کہتا جو مل رہا ہے اس پر شکر کرو۔ ورنہ تم لوگ اس کے مستحق بھی نہیں ہو یہی نہیں بلکہ وہ اندرونِ خانہ سیزر کو بے دست و پا کرنے کے منصوبے پر کام کررہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ قلعے اور قصرِ شاہی کے محاصرے کا کوئی فائدہ نہیں ہے جب تک سمندر کا راستہ سیزر کے لیے کھلا ہے جہاں سے برابر رسد آرہی تھی۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے رسد کا راستہ بند کرنے کے لیے سیزر کے جنگی جہازوں اور رسد کے بیڑوں پر قابض ہوجائے مگر اس کی بدقسمتی کہ سیزر پہلے ہی اس بات کو بھانپ چکا تھا۔ اس کی تمام فوج قلعے میں تھی اور بحری بیڑے کی حفاظت ممکن نہیں تھی۔ لہٰذا انہیں دشمن کے قبضے میں جانے سے بچانے کے لیے سیزر نے خود ان میں آگ لگوادی۔ یہ بنیادی جنگی اصول ہے۔ اپنا اسلحہ کبھی دشمن کے قبضے میں نہ جانے دو۔ چشم زدن میں سو سے زائد جنگی جہازوں، محافظ جہازوں اور بحری بجروں پر مشتمل بیڑا جل کر خاکستر ہوگیا اور پوتھی نوس اپنے منصوبے کی ناکامی پر بال نوچ کر رہ گیا۔

جہازوں کو لگائی جانے والی آگ نے بے قابو ہوکر بندرگاہ کے بڑے حصے اور کئی شہری عمارتوں کو جلا ڈالا تھا۔ ان میں اسکندریہ کی مشہور عالم لائبریری بھی تھی۔ اس کا ایک حصہ آگ نے تباہ کردیا تھا مگر کتابوں کی بڑی تعداد محفوظ رہی تھی۔ اس الزام میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ آگ نے پوری لائبریری کو جلا ڈالا تھا۔ جہازوں کو آگ لگوانے کے بعد سیزر نے اسکندریہ کے مشہور عالم لائٹ ٹاور والے جزیرے کو اپنے قبضے میں کرلیا۔ یوں بندرگاہ تک محفوظ رسائی صرف اس کے بحری جہازوں کے لیے ممکن رہ گئی تھی۔ ساتھ ہی اس نے قلعے کے تمام کمزور حصوں کو مضبوط کرلیا تھا۔

ایک طرف تو سیزر جنگی چالوں کا اعصاب شکن کھیل کھیل رہا تھا۔ دوسری طرف اس کی راتیں قلوپطرہ کی خوشگوار قربت میں بسر ہورہی تھیں۔ یہ سیزر کی فطرت کا ایک اور پہلو تھا۔ جب چاروں طرف دشمن گھات لگائے بیٹھا تھا تو وہ مصر کی حسین ملکہ کے ساتھ دادِ عیش دے رہا تھا۔ وہ کھیل جسے دونوں نے سیاست کے لیے شروع کیا تھا، اب دل کی لگی بنتا جارہا تھا۔ خود سیزر قلوپطرہ سے محبت کرنے لگا تھا۔ ورنہ قلعے میں جتے رہنے کے مقابلے میں اس کے لیے زیادہ آسان کام یہ تھا کہ مصر سے نکل کر شام کا رخ کرتا اور وہاں سے لشکر لاکر اسکندریہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیتا مگر اس کی غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ جس عورت نے اپنا سب کچھ اس کے حوالے کردیا تھا۔ اسے مصیبت میں اکیلا چھوڑ کر چلا جائے۔

پھر ایسی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی کہ سیزر اسکندریہ سے نکلتا۔ روم کے معاملات کو اس کے قابلِ اعتماد ترین جرنیل انتونی نے سنبھال لیا تھا۔ سمندر پر رومی بحری بیڑے کی حکمرانی تھی۔ شام پر رومی تسلط مستحکم ہوچکا تھا اور وہاں رومی گورنر کا قبضہ اس حد تک مضبوط تھا کہ یہودی جیسی متعصب

قوم دل و جان سے اس کے احکامات کی تعمیل کر رہی تھی۔

سیزر کے صبر و سکون کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ شام سے ایک لشکر زمینی راستے سے مصر کی طرف بڑھ رہا ہے وہ اسی لشکر کا انتظار کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں شہزادی آرسینو قصر سے نکل بھاگی اور اس نے فوج کو اپنی حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ فوج صرف شہزادے کی وفادار تھی جو سیزر کے قبضے میں تھا۔ اور کمک کی آمد کا سن کر سیزر نے محسوس کیا کہ اب شہزادے کو اس کی فوج میں بھیج دینا چاہیے تاکہ اس پر الزام نہ آئے کہ اس نے بے سالار کی فوج کو شکست دی تو کیا کارنامہ انجام دیا۔ غالباً شہزادہ بھی اس کی نیت بھانپ گیا اور اس نے سیزر کی خوشامد درآمد شروع کر دی کہ اسے فوج میں نہ بھیجا جائے۔ اسے خوب معلوم تھا کہ یہ اسے راہ سے ہٹانے کی ترکیب دی تھی۔ سیزر پر اس کے رونے گڑگڑانے کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اس نے شہزادے کو اس کی فوج کے پاس پہنچا دیا۔ جو پہلے ہی آمادۂ پیکار تھی۔ اسی اثنا میں شام سے آنے والی کمک پیلوشیم کے ساحلی قلعے پر قابض ہو گئی اور پھر نیل کو عبور کر کے اسکندریہ کی طرف بڑھی۔

شہزادے کو اس کی اطلاع ملی تو وہ بادلِ ناخواستہ میدانِ جنگ کی طرف بڑھا۔ اس کے اسکندریہ سے نکلتے ہی سیزر حرکت میں آیا اور اس نے اپنے بحری بیڑے کے ساتھ نیل کے ڈیلٹا کا رخ کیا لیکن اس سے پہلے وہ مصری بحری بیڑے کو چکما دینا نہیں بھولا تھا۔ موجودہ قاہرہ کے قریب وہ شام سے آنے والی فوج سے جا ملا۔ شہزادے کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے نیل کے وسیع پاٹ کو اپنی پشت پر رکھتے ہوئے اپنی صفیں ترتیب دیں۔ مصری لشکر بھی کم نہیں تھا اور نہ ہی شہزادہ بزدل تھا مگر اس کا مقابلہ دنیا کی تجربے کار ترین فوج سے تھا جس کی سپہ سالاری سیزر جیسا جرنیل کر رہا تھا۔ دو روز کی شدید اور خون ریز جنگ کے بعد مصری لشکر کو شکست ہوئی۔ اس کے اکثر فوجی مارے گئے خود شہزادہ فرار ہوتے ہوئے کشتی ڈوب جانے سے دریائے نیل میں غرق ہو گیا۔ یوں سیزر نے اپنے آخری حریف کو راہ سے ہٹا دیا تھا۔ اب قلوپطرہ اور مصر کی حکومت صرف اس کی تھی۔ وہ مارچ ۴۷ ق م میں فاتحانہ انداز میں اسکندریہ پہنچا تو اہلِ شہر اس کے استقبال کے لیے چشم براہ تھے اور قصرِ شاہی میں قلوپطرہ اس کے لیے اپنی باہیں وا کیے ہوئے تھی۔

○☆○

سیزر اڑتالیس قبل مسیح میں اکتوبر کے مہینے میں مصر آیا اور آتے ہی قلوپطرہ کی پُر لطف قربت سے فیض یاب ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قلوپطرہ امید سے ہو گئی۔ پہلے سیزر کا ارادہ تھا کہ موسمِ بہار میں روم کی طرف روانہ ہو جائے گا' اس نے کامیابی سے مارچ کے آخر تک شہزادے کا خاتمہ کر کے مصر پر اپنے قبضے کی بنیاد ڈال دی تھی اور اب بظاہر اس کے مصر میں ٹھہرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔ اس کے کمانڈروں کا بھی یہی خیال تھا کہ اب سیزر واپس روم چلے گا مگر اسکندریہ واپسی پر قلوپطرہ نے نہ جانے اس پر کیا سحر پھونکا کہ اس نے روم جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ یاد رہے کہ قلوپطرہ حمل کے اس مرحلے میں تھی۔ جب بہ حیثیت عورت وہ کسی مرد کے دل کو نہیں لبھا سکتی تھی مگر اس کے پاس صرف جسم ہی نہیں بلکہ ذہن بھی تھا۔ اس کو سیزر کے مزاج میں اتنا دخل تھا کہ وہ اس سے اپنی بات منوا سکتی تھی۔ سیزر اس کے زور دینے پر بچے کی ولادت تک کے لیے مصر میں رک گیا تھا۔

مصر آمد سے پہلے سیزر کے لیے یہاں کی دولت کے قصے صرف سنے سنائے تھے لیکن جب اس نے مصر میں علم و فنون' معاشی خوش حالی اور دولت کی فراوانی دیکھی تو اسے یہ ملک بہت اچھا لگا۔ روما بے شک ایک سپر طاقت تھا لیکن اس کے پاس نہ مصر جیسے علم و فن کے ماہرین تھے۔ نہ ایسے ادباد فضلا' نہ معاشی وسائل اور نہ ہی دنیا کے بہترین کاشت کار۔ اٹلی کے وحشی کسان سال میں بمشکل ایک فصل اگاتے تھے۔ اس کے برعکس مصر کا کاشت کاری نظام اتنا منظم تھا جتنا کہ آج پاکستان کا نہری نظام ہے۔ نیل کی زرخیز وادی میں سال میں تین فصلیں حاصل کی جاتی تھیں کسان خوش حال تھے لہٰذا وہ دل و جان سے محنت کرتے تھے اور جب وہ فارغ ہوتے تو تعمیرات میں کام کر کے روزی کماتے تھے۔ نہ جانے کس دانش ور نے مصری فرعونوں اور حکمرانوں کو یہ عقل کی بات سکھائی تھی کہ عوام کو فارغ نہ رہنے دو۔ جب تک یہ سلسلۂ روزگار میں مصروف رہیں گے' تمہارے تاج و تخت بھی محفوظ رہیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ فرعونوں نے ہمیشہ اپنی رعایا کا خاص خیال رکھا اور ان کے لیے روزگار کے ذرائع کو وسیع کیا۔ ان کے انجینیروں نے دریائے نیل کے پانی پر بند باندھ کر نہریں نکالیں اور عظیم الشان اہرام بنائے۔ ظاہر ہے ہر دو جگہ سے عوام کو روزگار میسر آیا۔

سیزر نے اب تک روپیہ کمانے کے صرف دو طریقے دیکھے تھے۔ جنگوں میں مخالفوں کو لوٹنا اور قرض لینا لیکن مصر آ کر اسے معلوم ہوا کہ کمائی کا اس سے اچھا طریقہ کوئی اور

ہے ہی نہیں کہ آپ عوام پر ٹیکس لگا دو۔ نہ لشکر کی ضرورت اور نہ زیادہ اخراجات' سیم و زر کا ایک سیلاب تھا جو سرکاری خزانے میں چلا آرہا تھا۔ اس نے بہ چشم خود مصر کے زرخیز ترین ڈیلٹا میں میلوں دور تک لہلہاتی فصلیں دیکھیں۔ یہاں تھوڑی سی زمین سے جس قدر غلہ اگتا تھا اس سے کئی گنا زیادہ زمین اٹلی میں اتنی پیداوار نہیں دیتی تھی۔ ان دنوں مصر پورے جزیرہ نما عرب اور یورپ کے ساحلی ممالک کا اناج گھر تھا اور ہر سال یہاں سے لاکھوں من غلہ دوسرے ممالک کو درآمد کیا جاتا تھا۔

مصر کی پُرامن تجارت کی وجہ سے دنیا بھر سے تاجر یہاں کھنچے چلے آتے تھے۔ ان سے حاصل ہونے والا محصول الگ تھا۔ سیزر جانتا تھا کہ اس کی آئندہ کی مہمات میں مصر کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگی۔ پورا یورپ سلطنت روما کے آگے سرنگوں ہوچکا تھا۔ افریقہ کے مغربی ساحلی علاقے اس کے مقبوضات میں شامل ہوچکے تھے۔ شام اور جزیرہ نما عرب اس کی اطاعت کا جوا اپنے شانوں پر پہن چکے تھے مگر ابھی ایتھوپیا اور ہندوستان جیسے عظیم ممالک باقی تھے۔ ایتھوپیا (موجودہ سوڈان) سے دریائے نیل نکلتا تھا اور ہندوستان کی تسخیر تو سکندر اعظم کا خواب بھی رہی تھی۔ سیزر بزعم خود اپنے آپ کو سکندر اعظم کا جانشین تصور کرتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ ان تمام علاقوں کو فتح کرے جو سکندر اعظم نے فتح کیے تھے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ جائے۔ یہ اور بات ہے کہ ہندوستان کی راہ میں پارس کی عظیم سلطنت حائل تھی اور اب وہاں تک جانے کا صرف ایک ہی راستہ تھا یعنی بحیرۂ قلزم سے گزر کر ہندوستان پر بحری یلغار کی جائے۔ اس کے لیے مصر اور افریقہ کے مشرقی ساحلی ممالک پر قبضہ لازمی تھا۔

قلوپطرہ صبر و سکون سے حالات کا جائزہ لے رہی تھی۔ بے شک اس نے اپنے تمام ممکنہ حریفوں سے نجات حاصل کرلی تھی لیکن ابھی اصل خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا تھا کہ روم مصر کو اپنے مقبوضات میں نہ شامل کرے۔ اس صورت میں سیزر بھی اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اس کے لیے پوری روما سے نہیں لڑ سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے نہایت صبر و تحمل سے سیزر کو اپنی مٹھی میں کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسے سیزر کی جاہ طلبی کی شدت کا اندازہ تھا اور اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے سیزر کو روم سے توڑ لیا تو وہ شاہ مصر کی حیثیت سے مصر کا دفاع کرسکتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ روم پر بھی قبضہ کرسکتا تھا۔ یہ ایک طرح سے مصر کا روما پر قبضہ ہوتا مگر اس کے لیے ایک طویل منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔ جس کے پہلے مرحلے میں سیزر کو مصر کی جانب راغب کرنا تھا۔

قلوپطرہ اور سیزر کی شادی نہیں ہوئی تھی لیکن قلوپطرہ نے کچھ ایسا پرچار شروع کردیا کہ سیزر درحقیقت آمون کا اوتار ہے اور اس کی قلوپطرہ سے شادی ایک آسمانی سنجوگ ہے۔ مصری عوام کو مطمئن کرنے کے لیے پجاریوں کو مٹھی میں لینا ضروری تھا۔ لہٰذا قلوپطرہ نے دل کھول کر پجاریوں پر رقم لٹانی شروع کردی۔ مندروں کی تزئین و آرائش کی جانے لگی۔ جواب میں پجاریوں نے قلوپطرہ کے پروپیگنڈے کی توثیق کی اور سیزر کو آمون کا اوتار تسلیم کرلیا۔ لہٰذا مندروں میں اس قسم کی تصویریں بنائی جانے لگیں جن میں سیزر کو آمون کے روپ میں دکھایا اور قلوپطرہ دیوتاؤں کے زچہ خانے میں ہے۔ اس قسم کے حربے پجاری صدیوں سے استعمال کررہے تھے اور مصری عوام اس کے اتنے عادی تھے کہ بلاچون وچرا کیے پجاریوں کے مضحکہ خیز ترین اعلان بھی تسلیم کرلیتے تھے اور اس بار بھی ایسا ہی ہوا۔ مصری عوام نے سیزر کو آمون کا اوتار اور اس کی قلوپطرہ سے شادی کو دیوتاؤں کا فیصلہ تسلیم کرلیا۔ مزے کی بات ہے سیزر دہریہ تھا۔ وہ دیوی دیوتاؤں کو مانتا ہی نہیں تھا۔

مگر سیزر میں اونچا مقام حاصل کرنے کی خواہش اتنی زیادہ تھی کہ وہ اس کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھا۔ قلوپطرہ نے اس کا فائدہ اٹھایا۔ روم میں سب سے بڑا ہونے کے باوجود سیزر ایک عام رومن سے مختلف نہیں تھا۔ جبکہ مصر میں اسے ماورائی ہستی قرار دے دیا گیا تھا۔ اس کی ذات کے فخر میں اب تکبر شامل ہوگیا تھا۔ اسے قلوپطرہ نے شہ دی اور وہ خود کو سچ مچ کوئی آسمانی ہستی سمجھنے لگا۔ قلوپطرہ کی ذہانت سمجھنے کے لیے یہی ایک مثال کافی ہے کہ کیسے اس نے سیزر جیسے عقلیت پسند کو خود کو دیوتا سمجھنے پر مجبور کردیا تھا۔ ظاہر ہے رومی تو اس کے دعوے سے متاثر نہیں ہوئے لیکن مصریوں کا یہ عالم تھا کہ اسے دیکھتے ہی سجدے میں گر جاتے۔

بطلیموس یونانی جب مصر کے حاکم ہوئے اور انہوں نے یہاں کی حاکمیت کے مزے چکھے تو وہ خود کو کوئی فوق البشر اور آسمانی قسم کی مخلوق سمجھنے لگے۔ مصری اپنے بادشاہوں کا دماغ خراب کرنے کے ماہر تھے۔ بطلیموس ان سے کیسے بچتے یہی وجہ تھی کہ قلوپطرہ خود کو مقدس ہستی خیال کرتی تھی۔ لہٰذا اس کے خیال میں اس کا شوہر بھی کوئی ایسی ہی ماورائی ہستی ہونا چاہیے تھا۔ سیزر کو دیوتا کا اوتار مشہور کرنے اور خود کو اس کی بیوی ظاہر کرنے کا مقصد یہی تھا۔ حالانکہ نہ تو سیزر کوئی

اوتار تھا اور نہ ہی قلوپطرہ اس کی قانونی بیوی۔ کسی قانون یا مذہب کی رو سے ان کے درمیان کوئی ازدواجی رشتہ طے نہیں ہوا تھا۔ وہ بزعم خود ایک دوسرے کے میاں بیوی بنے ہوئے تھے اور اب ماں باپ بننے والے تھے۔

سیزر میں قلوپطرہ کے لیے سب سے بڑی کشش یہ تھی کہ وہ روم کا آمر تھا اور حالات بتا رہے تھے کہ جلد وہ رومی بادشاہت کا تاج اپنے سر پر رکھنے والا ہے۔ اس کی بیوی کی حیثیت سے وہ نہ صرف روم بلکہ نصف دنیا کی ملکہ بن جاتی اور اس کے بعد اس کی اولاد اس تاج کی مالک ہوتی پھر قلوپطرہ لاکھ یورپی سہی اور مصر کی تہذیب و مذہب سے اس کا خاص تعلق نہیں تھا۔ اس کے باوجود اس کے وطن پرست ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ اتنے پاپڑ اس لیے بیل رہی تھی کہ روم مصر مشترکہ حکومت میں غالب فریق مصر رہے۔ جو دولت، علم و فن اور معاشرت غرض کہ ہر لحاظ سے روم سے صدیوں آگے تھا اور اگر سیزر کی زندگی میں روم ہی غالب فریق رہا تو اس کے بعد تو حکومت قلوپطرہ کی اولاد کے ہاتھ آتی اور ان کی پرورش قلوپطرہ ہی کرتی۔ ایک ماں اور ذہین عورت کی حیثیت سے اس کے لیے قطعی مشکل نہیں تھا کہ اپنے بچوں کے ذہن مخصوص انداز میں ترتیب دے۔ خود بچے دیکھتے کہ ان کا باپ بادشاہ ہونے کے باوجود کوئی خاص پس منظر نہیں رکھتا اور ان کی ماں ایک عظیم ملکہ کے عظیم شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے تو وہ از خود اپنے ننھیالی تشخص کو پسند کرتے۔

قلوپطرہ صرف حسین ہی نہیں بلکہ ذہین اور انسان شناس عورت تھی۔ اس نے سیزر کو صرف اپنے حسن و جمال اور عالی ہمت سے ہی متاثر نہیں کیا بلکہ اپنے شاہانہ وقار اور اعلیٰ ترین مصری تہذیب کا کچھ ایسا مظاہرہ کیا کہ سیزر اس دیباتی کی طرح مرعوب ہو گیا جو پہلی بار شہر کی کسی عالی شان کوٹھی کے سجے سجائے ڈرائنگ روم میں گھس آیا ہو۔ طعام و قیام سے لے کر نشست و برخاست اور غسل خانے سے لے کر مقبروں تک مصریوں نے ایسی اختراعات کی تھیں کہ دوسرے بہ مشکل ہی ان کے معاشرتی معیار کو پہنچ سکتے تھے۔ دوسری کوئی قوم جو مصر کی برتری کی ہمسری کرتی نظر آتی۔ وہ پارس کی سلطنت تھی لیکن ان کے پاس صرف دکھاوا ہی دکھاوا تھا۔ نہ مصریوں کی سی نازک خیالی اور نہ علم و فنون۔ ذہنی معیار سے بھی پارس روم کے وحشیوں سے کم نہیں تھے۔

غالباً قلوپطرہ نے سیزر کو یہی خواب دکھایا کہ ان کے ملاپ سے ایک عالمی حکومت کا قیام ممکن ہو جائے گا۔ جس کے خواب دیکھتے دیکھتے سکندر اعظم اور کورش جیسے عظیم فاتحین اس دنیا سے گزر گئے۔ قلوپطرہ نے یہی خواب سیزر کو دکھایا اور وہ اتنا پُرجوش ہوا کہ اسکندریہ کے ان فارغ دنوں میں اپنی مستقبل کی عالمی حکومت کے خدوخال مرتب کرنے لگا۔ اس معاملے میں اولین ضرورت شاہی پس منظر کی تھی۔ جس کے بغیر اس کی بادشاہت مشکوک ٹھہرتی۔ سیزر کتنا ہی عالی نسب اور بزعم خود دیوتا کا اوتار سہی لیکن اس کی رگوں میں شاہی خون نہیں تھا۔ روم میں کوئی شاہی خاندان نہیں تھا۔ جس کی کسی عورت سے وہ شادی کر کے خود کو شاہی خاندان سے منسلک کرتا۔ اس لحاظ سے قلوپطرہ اس کے لیے موزوں ترین شریکِ حیات تھی۔ جو ایک معتبر شاہی سلسلے سے تعلق رکھتی تھی۔

سلطنت روما مدت سے جمہوریت کے (نام نہاد سہی) سائے میں رہنے کے بعد اب بادشاہت کی طرف مائل تھی۔ اس میں سیزر اور اس کے بہی خواہوں کا ہاتھ بھی تھا لیکن سیزر ابھی کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے خوف کھاتا تھا کہ رومن کے صاحبِ اقتدار اس کے عزائم نہ بھانپ جائیں۔ وہ روم کا تاج سر پر سجانے کی خواہش رکھتا تھا لیکن ساتھ ہی اس کی یہ کوشش بھی تھی کہ یہ تاج دوسرے اس کے سر پر رکھیں۔ اس کے سینے میں سلگتی آگ کو قلوپطرہ نے ہوا دی اور اب سیزر دن رات یہ سوچنے لگا کہ کیسے روم کی جمہوریت کو قیصریت میں بدل کے، اس کا اولین شہنشاہ ہونے کا اعزاز حاصل کرے۔ دوسری طرف قلوپطرہ کا اپنا منصوبہ تھا۔ جس کے لیے وہ سیزر کو ایک خاص راستے پر ڈال رہی تھی اور وہ یہ کہ اس کے اور سیزر کے خون سے ایک نیا شاہی خاندان وجود میں آئے۔

بعض مؤرخوں نے یہ لغو الزام لگایا کہ قلوپطرہ نے اپنے نفسانی تقاضوں کی تکمیل کے لیے جنگ سے واپسی کے بعد سیزر کو روم جانے سے روک لیا۔ اس الزام کو غلط ثابت کرنے کے لیے صرف ایک بات کافی ہے کہ سیزر کی اسکندریہ واپسی کے وقت قلوپطرہ حمل کے چھٹے مہینے میں تھی اور اس حالت میں کوئی عورت نہ تو نفسانی جنون میں مبتلا ہوتی ہے اور نہ کسی مرد کو لبھانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ دل و جان سے سیزر کو اپنا شوہر تسلیم کر چکی تھی اور ہر عورت کی طرح چاہتی تھی کہ اس نازک موقع پر سیزر اس کے پاس موجود رہے۔ خود سیزر بھی جذبۂ پدری سے مجبور ہو کر قلوپطرہ کے پاس رکا تھا۔ وہ اب تک بے اولاد تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی عورت اس کے کسی بچے کو جنم دینے والی تھی۔ یقیناً اس کی خواہش

تھی کہ روم جانے سے پہلے اپنی ہونے والی اولاد کو دیکھ سکے کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ یہ بات اس کے آئندہ کے منصوبوں کے لیے بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔

اس فارغ وقت میں سیزر کے ذہن میں خیال آیا کہ اسے مصر کا دورہ کرکے اس کی دولت و وسائل کا جائزہ لینا چاہیے تاکہ اپنی آئندہ مہمات میں انہیں استعمال کرسکے۔ لہٰذا اس نے ایک دریائی سفر کا منصوبہ بنایا۔ کلوپطرہ حمل کی آخری مدت میں ہونے کے باوجود سیزر کے ساتھ تھی۔ خاصی تیاریوں کے بعد دریائے نیل میں ایک عظیم الشان بیڑے نے سفر شروع کیا۔ اس میں صرف محافظ اور رسد کی کشتیوں کی تعداد چار سو سے زیادہ تھی۔ شاہی بجرہ دیودار کی لکڑی سے بنا تھا۔ اس کی وسعت، شان و شوکت اور نفاست و خوب صورتی بیان سے باہر ہے۔ اس سفر کے دوران سیزر اور کلوپطرہ نے نیل کے دونوں کناروں پر مصر کے عظیم ماضی کا نظارہ کیا۔ وہ تھیبس کے شہر سے گزرے جو کبھی مصر کا دارالحکومت تھا۔ اس کے عظیم الشان مندر اور عمارات دیکھنے والوں کو مسحور کردیتے تھے۔ انہوں نے اہرام مصر اور ابوالہول کا شاندار مجسمہ بھی دیکھا۔ انہوں نے اخناتون کا بسایا شہر بھی دیکھا جو اس کے ساتھ ہی اجڑ گیا تھا۔ اس سفر کے دوران میں سیزر اور کلوپطرہ نے پتھر کی بعض شاندار یادگاروں کو دریائی راستے سے اسکندریہ منتقل کرایا۔ ان میں ایک حسین مینار بھی تھا جو بعد میں کلوپطرہ کی سوئی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس سفر میں سیزر نے مستقبل کے لیے درکار مفید معلومات..... جمع کی تھیں۔ خاص طور پر ایتھوپیا جانے والے راستوں اور جزیرہ نما عرب کے جنوب مشرق میں واقع یمن کی اس بندرگاہ کے بارے میں جہاں سے ہندوستان اور مشرق بعید کے لیے بحری جہاز جاتے تھے۔

اس دریائی سفر سے واپسی پر کلوپطرہ نے جولائی کے پہلے ہفتے میں ایک بیٹے کو جنم دیا۔ جس کا نام سیزارین رکھا گیا تھا۔ جس کے معنی ننھا سیزر تھا۔ مخلوط نسل کا یہ بچہ یقیناً خوب صورت اور صحت مند ہوگا۔ اس کا مصری نام حسب روایت بطلیموس تھا اور وہ اس نام کا سولہواں بچہ تھا۔ لہٰذا بطلیموس سولہ کے نام سے مشہور ہوا کلوپطرہ اور سیزر نے لڑکے کی پیدائش کو اپنے مستقبل کے لیے نیک فال جانا تھا۔

مصر میں سیزر نے خاصا وقت گزار لیا تھا اور بقول پلوٹارک کے اس نے یہ وقت گنوایا تھا۔ اس دوران میں وہ روم میں اپنی پوزیشن مستحکم کرسکتا تھا مگر اس متعصب رومی مؤرخ سے اتفاق مشکل ہے۔ درحقیقت سیزر نے یہ وقت مستقبل کی رومی سلطنت کی نقشہ گری میں گزارا۔ موت نے اسے مہلت نہیں دی ورنہ وہ منصوبوں کو بذات خود مکمل کرتا مگر تاریخ شاہد ہے کہ قیصریت کے قیام کے لیے اس کا منصوبہ حرف بہ حرف پورا ہوا تھا۔ اس کے بعد انتونی اور پھر آکٹوین نے ان منصوبوں کو پورا کیا تھا۔

روم جانے سے پہلے سیزر نے ان معاملات کی طرف توجہ دی۔ جو نامکمل رہ گئے تھے۔ کئی مقامات پر اس کی فوجوں کو شکست ہوئی تھی اور کچھ علاقے فتح ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس نے اپنی فوجوں کی کمان سنبھالی اور برق رفتاری سے دشمن تک جا پہنچا۔ انہیں شکست فاش دی۔ مقبوضہ علاقوں کے انتظامات کیے اور پھر ستمبر تک روم تک پہنچ گیا۔ یہاں بھی وہ زیادہ عرصے نہیں رہا کیونکہ شمالی افریقہ میں پومپی کے باقی ماندہ خیرخواہ کیٹو اور سیپیو کی سرکردگی میں ایک حکومت بنا چکے تھے۔ جسے نومیدیا کے بادشاہ کی حمایت حاصل تھی۔ سیزر لشکر لے کر وہاں پہنچا اور جاتے ہی دشمن پر برق کی تیزی سے حملہ آور ہوا۔ چند منٹوں میں اس نے دشمنوں کا نام و نشان مٹا دیا۔ کیٹو اور سیپیو نے خودکشی کرلی تھی۔ سیزر نے اپنے غصے کا اظہار یوں کیا کہ قید کیے جانے والے تمام فوجیوں کو تہ تیغ کرا دیا۔

ادھر سیزر شان و شوکت کے ساتھ روم پہنچا اور فتح کے جشن کی تیاری شروع کی۔ ادھر کلوپطرہ نے روم جانے کے لیے رختِ سفر باندھا کیونکہ روم میں مصر کے افراد جن میں شہزادی آرسینو، گینی میڈ، پوتھی نوس اور ایکیلاس وغیرہ شامل تھے۔ انہیں سزائے موت دی جانی تھی۔ کلوپطرہ ان سب سے دلی نفرت کرتی تھی اور وہ ان کی ذلت و موت کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ یہ ذلت دراصل مصر کی نہیں بلکہ مصر کے غداروں کی تھی۔ سیزر بھی اس کو روم میں دیکھنا چاہتا تھا تاکہ اسے جبروت و جلال کا منظر دکھا سکے۔ وہ صرف مختار مطلق ہی نہیں تھا بلکہ عنقریب روم کا شہنشاہ بننے والا تھا اور کلوپطرہ اس کی ملکہ ہوگی۔

کلوپطرہ نے ایک بڑے بحری بیڑے کے ساتھ اٹلی کا رخ کیا۔ اس کے ساتھ ننھا سیزارین تھا۔ بے شمار لونڈی غلام ہزاروں سپاہیوں پر مشتمل حفاظتی دستہ بھی تھا۔ اپنے ساتھ کلوپطرہ اپنے سب سے چھوٹے بھائی بطلیموس پندرہ کو بھی لے آئی تھی۔ اسے خوف تھا کہ اسے اسکندریہ میں چھوڑنے سے کہیں کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا ہو۔ اسکندریہ والے ابھی پوری طرح اس کے طرف دار نہیں تھے۔ خاص طور سے سیزر سے

تعلقِ خاطر کے بعد وہ قلوپطرہ کو غدار سمجھنے لگے تھے۔ جو سیزر جیسے مصری دشمن سے سازباز کر رہی تھی۔ انہیں کوئی سہارا میسر آجاتا تو وہ قلوپطرہ کا تختہ الٹنے سے گریز نہ کرتے۔

قلوپطرہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ روم کے عوام اسے اتنی آسانی سے قبول نہیں کریں گے۔ اول تو وہ ان کے نزدیک غیر ملکی تھی پھر ان کی فطری ہمدردیاں سیزر کی بیوی کلپورینا کے ساتھ تھیں۔ قلوپطرہ نے سیزر کو مشورہ دیا کہ اسے ملکہ کی حیثیت سے متعارف کرانے کے لیے ابھی مناسب وقت نہیں ہے لیکن سیزر کو اپنی گزشتہ فتوحات نے اتنا مغرور کردیا تھا کہ وہ کسی کو خاطر میں لانے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے برملا روم میں قلوپطرہ کو اپنی ملکہ کی حیثیت دی تھی۔ قلوپطرہ، سیزر کی آبائی جاگیر والے دیہاتی محل میں مقیم تھی۔ جو اس کے اسکندریہ کے قصر شاہی کے مقابلے میں ایسا تھا کسی حسینۂ عالم کے مقابلے میں مشقتوں کی ماری ایک دیہاتی عورت۔ ظاہر ہے سیزر شرمندگی محسوس کرتا ہوگا۔ یہاں نہ اسکندریہ جیسی شان و شوکت تھی اور نہ نفاست و شائستگی مگر قلوپطرہ ظاہر کرتی کہ وہ صرف سیزر کی قربت میں خوش ہے۔ دونوں کے درمیان اگرچہ روایتی عشاق جیسی گرم جوشی باقی نہیں رہی تھی لیکن باہمی مزاج، مفادات اور سب سے بڑھ کر سیزارین نے انہیں ایک مضبوط رشتے میں منسلک کردیا تھا۔ یہ بچہ سیزر سے اس قدر مشابہ تھا کہ دیکھنے والا ایک نظر میں جان لیتا کہ وہ کس کی اولاد ہے۔

روم میں فتوحات کے جشن ایک معمول کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کا مقصد عوام کو وحشیانہ تفریح مہیا کرنا ہوتا تھا۔ جشن کے دنوں میں بے حساب خون بہتا تھا۔ سیزر کے جشنِ فتح کے پہلے روز فرانس کی فتح کا جلوس نکلا۔ جس کے اختتام پر بے شمار جنگی قیدیوں کے ساتھ ورسیک ٹورکس جیسے بہادر شخص کو قتل کیا گیا۔ وہ چھ سال سے قید میں تھا۔ اگلے روز مصر کی فتح کا جلوس نکلا۔ اس میں گینی میڈ، پوتھی نوس اور ایکیلاس کے ساتھ دوسرے کئی افراد انجام کو پہنچے۔ سیزر نے جلوس میں مصری بادشاہوں کے مجسمے بھی رکھے تھے۔ جن سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اب مصر بھی روم کے... ماتحت ہے۔ عقل مند قلوپطرہ نے ان مجسموں پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ تیسرے دن سیزر کی پولٹس کی فتح کا جشن منایا گیا۔ جہاں اس نے تعداد میں کئی گنا بڑے غنیم کو اتنی سرعت سے شکست دی کہ اس کی مثال ملنا دشوار ہے۔ جلوس میں ایک تختی بھی شامل تھی۔ جس پر رکھا تھا "وہ آیا۔ اس نے دیکھا۔ اس نے شکست دی۔" یہ محاورہ تب ہی سے مشہور چلا آرہا ہے۔

پہلے تین دن روم کے عوام فتح کے جلوس اور قتل عام پر وفورِ مسرت سے بے قابو ہوئے جاتے تھے لیکن جب چوتھے دن نومیڈیا کی فتح کا جلوس نکلا تو وہ اپنی برہمی چھپا نہ سکے کیونکہ جلوس میں سیزر نے نہ صرف اپنے رومی حریفوں سے چھینے گئے، پرچموں، ہتھیاروں اور مالِ غنیمت کے ساتھ کیٹو، سیپیو اور دوسرے بلند مرتبت رومیوں کے مضحکہ خیز مجسمے بھی رکھے تھے۔ دراصل ان دنوں سیزر پر عالی نسب ہونے اور آسمانی ہستی ہونے کا بخار اس قدر چڑھ چکا تھا کہ وہ برے بھلے کی تمیز کھو چکا تھا۔ وہ اپنے مخالفوں کی حد سے زیادہ تذلیل کرنے لگا تھا اور اسے رومی عوام کی پروا بھی نہیں رہی تھی۔

درحقیقت ان دنوں سیزر کا دماغ خراب ہو رہا تھا۔ محاورتاً نہیں بلکہ سچ مچ۔ وہ جوانی سے مرگی کا مریض تھا۔ اسے کبھی کبھار اس کا دورہ پڑتا تھا۔ خاص طور سے جب حالات کشیدہ ہوں۔ یہ دروازے اکثر اسے جنگی مہمات کے دوران میں پڑتے تھے مگر اس کی خوش قسمتی کہ اسے کوئی گزند نہیں پہنچی۔ فرانس سے واپسی کے بعد اس مرض نے شدت اختیار کرلی تھی اور اسکندریہ میں قیام کے دوران میں اسے کئی بار یہ دورہ پڑا اور اس سے قلوپطرہ نے اس کی دماغی حالت بھانپ کر اسے دیوتا کی اولاد ہونے کی شہ دینا شروع کردی۔ جسے سیزر نے بہ آسانی تسلیم کرلیا۔ ان دوروں نے اس کی دماغی کیفیات کو بدتر کردیا تھا۔ وہ حد درجے چڑچڑا ہوگیا تھا اور اب اس کی شگفتہ بیانی کے مظاہرے کم ہی دیکھنے میں آتے تھے۔ وہ لوگوں کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کرنے لگا تھا۔ اسے یہ پروا بھی نہیں تھی کہ مخالف کے دل پر کیا گزرے گی۔ پومپی، کیٹو اور دوسرے ذی مرتبت افراد کو ذلیل کرنے کی خواہش کے پس پشت اس کی یہی دماغی بیماری کارفرما تھی۔

قلوپطرہ ابھی روم میں تھی کہ سیزر کی ایک حرکت نے لوگوں کو دم بخود کردیا۔ اس نے زہرہ دیوی کا مندر بنوایا اور ساتھ ہی قلوپطرہ کا ایک مجسمہ تیار کروایا۔ جس روز اس نے مندر کا افتتاح کیا۔ اس دن یہ مجسمہ مندر کے سنگ مرمر کے چبوترے پر نصب کرادیا۔ زہرہ کے مندر میں قلوپطرہ کا بت رکھوانے کا مقصد غالباً یہ تھا کہ اہلِ روم قلوپطرہ کی عظمت کو تسلیم کریں۔ جو صرف مصر میں ہی مقدس ہستی نہیں تھی بلکہ اسے زہرہ سے بھی نسبت تھی۔ بت مندر میں رکھوا کے سیزر لوگوں کے دل و دماغ میں یہ بات نقش کردینا چاہتا تھا۔

بغور دیکھا جائے تو تمام عالی شان فاتحین اور بادشاہوں کے دماغ میں اپنے مافوق الفطرت ہونے کا خیال ضرور لہریں

لیتا تھا اور اس لہر میں بہہ کر وہ ایسے مضحکہ خیز دعوے کر جاتے کہ آج سن کر اور پڑھ کر ہنسی آتی ہے لیکن عوام کا کیا کیجئے۔ جو نہایت سنجیدگی اور یقین کے ساتھ ان لغو اور مضحکہ خیز دعوؤں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ یہ مرض ابتدائے شہنشاہیت کے ساتھ ہی پیدا ہوا۔ مصری فرعون' وادی عراق اور ایران کے بادشاہ اور پھر قیصر کچھ اس قسم کے خبط میں مبتلا ہوئے۔ وہ خود کو عام آدمی سے الگ نسل تصور کرتے تھے بزعم خود آسمانی ہستی سمجھتے تھے اور آخر اسی خرابی نے ان کا کام تمام کیا۔

بہرحال سیزر کی یہ چال کامیاب رہی اور روم کے باشندے آخر کار قلوپطرہ کو زہرہ دیوی کی نسبت سے احترام دینے لگے۔ زہرہ کی روم میں وہی حیثیت تھی جو مصر میں آمون کی۔ خاص طور سے رومنوں کا نچلا طبقہ اس کا حد درجے عقیدت مند تھا۔ جبکہ رومنوں کا بالائی طبقہ عام طور سے دیوی دیوتاؤں کا زیادہ قائل نہیں تھا اور اکثر تو دہریئے تھے۔ ان میں سیزر بھی شامل تھا لیکن اپنے مفاد کے لیے یہ عوام کے مذہبی جذبات سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔

سیزر اور قلوپطرہ یہ سوچ کر روم آئے تھے کہ اب ان کی راہ کی تمام رکاوٹیں دور ہو گئی ہیں تو وہ غلطی پر تھے۔ بے شک سیزر ان دنوں رومنوں میں اتنا مقبول تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ رہا تھا۔ اس کے اکثر بڑے مخالف بھی ملکِ عدم کو سدھار چکے تھے لیکن اس کی اپنی پارٹی اتنی مقبول نہیں تھی۔ انتونی جو اس کے دستِ راست کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان دونوں میں ناچاقی ہو گئی تھی اور روم میں یہ افواہیں گشت کر رہی تھیں کہ انتونی' سیزر کو قتل کرنے کی فکر میں ہے۔ دوسری طرف پومپی کے ہوا خواہ ابھی روم میں موجود تھے۔ سب سے بڑھ کر سیزر نے اپنی غلط حکمتِ عملی اور متکبرانہ رویے سے متعدد نئے دشمن پیدا کر لیے تھے۔ لوگ اس سے توقع رکھتے تھے کہ وہ کلوپیٹرا کو بیوی بنا کر رکھے گا لیکن اس کے عزائم بتا رہے تھے کہ وہ قلوپطرہ کو یہ اعزاز بخشنا چاہ رہا ہے۔

جشنِ فتح اور رومی سیاست کے داؤ پیچ میں سیزر نے اپنے اصل منصوبے کو بھی یاد رکھا تھا۔ جس میں کلیدی نقطہ یہ تھا کہ بہر صورت عوام کو خوش رکھو۔ وہ بڑے آدمیوں سے نمٹ لیتا۔ اگرچہ یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ بہرحال اس نے عوام کا دل جیتنے کی سعی شروع کر دی تھی۔ ان دنوں عوام کو اپنی مٹھی میں کرنے کے لیے کھیل تماشے' تھیٹر کی سرگرمیاں اور کھیلوں کے مقابلے لازمی عنصر تھے پھر رومی دعوتیں کھانے کے شیدائی تھے۔ سیزر فراخ دلی سے ان کاموں پر پیسہ خرچ کرنے لگا اور غالباً یہ رقم مصر کے خزانے سے آ رہی تھی۔

ایک دفعہ سیزر نے بیک وقت بائیس ہزار رومنوں کی دعوت کی۔ اس قسم کی فضول خرچیوں کے لیے خاصی کثیر دولت درکار تھی۔ بہرحال اس کا اثر روم کی عوام پر پڑ رہا تھا۔ لوگ سیزر اور قلوپطرہ' اس رومان اور سیاست میں دلچسپی لینے لگے تھے۔

قلوپطرہ نے روم آ کر دیکھا کہ عجیب بے تکا کیلنڈر رائج تھا۔ جس میں مہینوں اور دنوں کی کوئی ترتیب نہیں تھی۔ ان ہی دنوں سیزر نے اس وقت کے مانے ہوئے ہیئت داں سوسی سے کیلنڈر کی تصحیح کی اور اس نے مشورہ دیا کہ اگلا سال یعنی چھیالیس قبل مسیح کو بارہ کے بجائے پندرہ مہینوں کا قرار دیا جائے اور روم میں اس بے ترتیب تقویم کے بجائے مصری تقویم رائج کی جائے۔ سیزر نے قلوپطرہ کے مشورے سے اس تقویم کو رائج کر دیا جو شمسی تقویم کے نام سے مشہور ہوئی۔ حالانکہ یہ مصری تقویم تھی۔ اہلِ مصر نے اپنی زراعت میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے یہ تقویم اختیار کی تھی۔ جس میں بارہ مہینے اور تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں۔ اس کی مدد سے انہیں معلوم ہوتا رہتا تھا کہ کب دریائے نیل میں طغیانی آئے گی۔ وہ اس سے پہلے ہی اپنے کھیتوں میں ہل چلا کر بیج ڈال دیتے تھے۔ جب یہ تقویم یورپ نے اپنائی تو کچھ عرصے بعد یہ ظاہر کرنے لگے کہ یہ ان کی ہی ایجاد تھی بعد میں پادری پاپ گریگری نے اس میں کچھ تبدیلیاں کرائیں تو اسے فوراً گریگری کے نام سے منسوب کر دیا گیا۔ دوسروں کی ایجادات اور دریافتوں کو اپنے نام سے موسوم کرنا اہلِ یورپ کا ہمیشہ کا شیوہ ہے۔

موقع ساز گار پا کر سیزر نے اپنے تسخیرِ عالم کے منصوبوں کا اعلان کیا۔ جس کا روم میں بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا۔ دس سال پہلے پومپی نے ایشیائے کوچک کے راستے پہلے ایران اور پھر ہندوستان پر حملے کا منصوبہ بنایا تھا مگر اس میں پارسی یا پارتھیا کی طاقت ور سلطنت سے مقابلہ کرنا پڑتا۔ وقت بچانے کے لیے بحیرۂ اسود کے راستے ایشیا کے ساحل پر اترنے کی تجویز تھی مگر پھر پومپی اور سیزر آپس میں الجھ گئے اور یہ منصوبے دھرے رہ گئے۔ اب سیزر نے ان منصوبوں کی تفصیلات دیکھیں تو اسے یہ کار آمد نظر آئے۔ اس نے ان میں اتنی ترمیم کی کہ حملہ ایشیائے کوچک کے راستے کیا جائے اور رسد مصر کے ذریعے بحیرۂ قلزم کے راستے بھجوائی جائے۔

مگر اس سے پہلے کہ سیزر اپنے منصوبوں پر عمل شروع کرتا' اسپین میں پومپی کے بہی خواہوں نے بغاوت کر دی۔ جسے فرو کرنے کے لیے سیزر اسپین کی طرف بڑھا۔ وہ

پینتالیس قبل مسیح میں روم کا مختار مطلق منتخب ہوگیا تھا اور اب اپنی مرضی سے نظام حکومت چلانے کا اہل تھا۔ یہ دراصل شہنشاہیت کی طرف ایک قدم تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کے آٹھ نائبین حکومت چلا رہے تھے۔ مارچ کے پُر بہار مہینے میں سیزر کی ٹڈی بھیڑ مخالف لشکر سے ہوئی جس کی قیادت پومپی کے دو لڑکے کیسس جس سے چند سال پہلے قلوپطرہ کے رشتے کی بات ہوئی تھی اور دوسرا سیکٹس تھا۔ شدید خون ریز جنگ کے بعد سیزر نے فتح پائی۔ کیسس نامراد مارا گیا اور سیکٹس جان بچا کر فرار ہوا۔ سیزر فاتحانہ انداز میں روم واپس آیا اور فتح کا شان دار جشن منایا جس کا عوام نے بے حد برا منایا۔ ان کے خیال میں یہ جنگ نہیں خانہ جنگی تھی۔ جس میں فتح و شکست سے قطع نظر نقصان رومنوں کا ہوا تھا۔ یہ سیزر کی ایک اور سیاسی غلطی تھی لیکن ہم جیسا کہ بتا چکے ہیں۔ اس کے دماغ پر اپنے اعلیٰ و ارفع ہونے کا جو خیال چھایا ہوا تھا' اس نے سیزر کو حد درجے متکبر بنا دیا تھا۔ اب وہ اپنی ذات کو ہی روم سمجھنے لگا تھا اور جو اس کا دشمن تھا' وہ درحقیقت روم کا باغی تھا اور کسی رعایت کا مستحق نہیں تھا۔

○☆○

بظاہر قلوپطرہ ان دنوں زیادہ فعال نہیں تھی کیونکہ سیزر ان دنوں حد سے زیادہ فعال تھا اور قلوپطرہ اس کی جاگیر والے محل میں سیزارین کے ساتھ ایک گھریلو زندگی بسر کرتی نظر آتی ہے لیکن درحقیقت یہ جاہ پرست ملکہ ایک لمحے کو بھی اپنے' سیزارین اور اپنی ملک و قوم کے مفاد سے غافل نہیں ہوئی۔ اس کی ہر چال سے یہ بات قطعی ظاہر تھی۔ بظاہر وہ روم میں سیزر کی فتوحات کے جشن میں شرکت کرنے آئی مگر اس کا اصل مقصد سیزر کو مصر کے خلاف کسی قدم سے روکنا اور اسے بدستور عالمی سلطنت کے خبط میں مبتلا رکھنا تھا۔ اس کا ثبوت ہمیں اس کی آئندہ کی جدوجہد سے ملتا ہے۔ اگر وہ سیزر کو ہی اپنا سہارا سمجھتی تو اس کے قتل سے حوصلہ ہار جاتی لیکن اس نے اپنی جدوجہد ترک نہیں کی۔

اس کا بظاہر یہ بے مقصد دورہ نہایت دور رس نتائج کا حامل تھا جو قلوپطرہ نے روم کی مقامی اور بین الاقوامی سیاست پر مرتب ہوئے۔ رومنوں نے اس بلند حوصلہ اور حسین عورت کو قریب سے دیکھا۔ سیزر کے لیے اس کی والہانہ محبت اور اپنے بیٹے کے لیے اس کی ممتا نے سب کو متاثر کیا۔ کیونکہ خود رومی عورت میں یہ اوصاف نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔ اسی طرح سیزر جب مستقبل کے منصوبوں کے لیے اپنے دیہاتی محل میں اپنے بااعتماد ساتھیوں سے میٹنگز کرتا تو قلوپطرہ ان میں برابر کی شریک ہوتی اور اس کی تجاویز سن کر ذہین افراد بھی حیران رہ جاتے تھے پھر جس عورت نے پہلے سیزر اور انتونی جیسے افراد کو اپنے قابو میں کرلیا' اس کی ذہانت پر کیا شبہ کرنا۔ سیاست اور چالاکی بچپن سے اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ وہ مصر جیسے علم پرور ملک کی شہزادی تھی۔ جہاں مستقبل کے حکمرانوں کی بچپن سے تربیت کی جاتی تھی اور اس میں شہزادی اور شہزادے کی تخصیص نہیں کی جاتی تھی۔ لہٰذا قلوپطرہ کے لیے یہ سوچنا کہ وہ سیزر سے منسلک ہو اور ایک بچے کی ماں بن کر سیاست سے دستبردار ہوگئی ہوگی۔ خوش فہمی ہی ہوگی۔ اپنا کردار محض ایک خانگی عورت تک محدود رکھنا قلوپطرہ کے لیے ممکن نہیں تھا۔

سیزر بادشاہ بننے کے لیے سیڑھی سیڑھی کرکے اوپر چڑھ رہا تھا لیکن اس کی بے قرار طبیعت اسے بے چین کررہی تھی کہ یہ سیڑھیاں جلد سے جلد چڑھ لے۔ پہلے اس کا خیال تھا کہ وہ پارتھیا کی سلطنت تسخیر کرکے شاہ روم کا تاج اپنے سر پر رکھے مگر ساتھ ہی یہ پیش گوئی اسے اکسانے لگی کہ پارس کی سلطنت ایک رومی بادشاہ کے ہاتھوں اختتام کو پہنچے گی۔ اس بے چینی کی کیفیت میں اس نے سینیٹ سے اپنے لیے سپہ سالار اعلیٰ کا عہدہ منظور کرالیا۔ ساتھ یہ بھی کہ عہدہ موروثی ہوگا۔ اس کے بعد اس کی اولاد کو ملے گا۔ اس اولاد کو جو اس کے دیہاتی محل میں پرورش پا رہا تھا اور جو اس کی اور قلوپطرہ کی اولاد تھا۔ مزے کی بات ہے۔ یہ بچہ پہلے ہی تخت مصر کا وارث تھا اور اب یہ رومی سپہ سالار اعلیٰ کے عہدے کا وارث بھی بن گیا تھا۔

اہل روما بجا طور پر یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ سیزر بادشاہ بننے اور قلوپطرہ سے شادی کے بعد مصر کو بھی رومی مقبوضات میں شامل کرے گا۔ کم سے کم انہیں سیزر سے یہی توقع تھی لیکن قلوپطرہ کے ذہن میں کچھ اور تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جب تک سیزر اپنے منصوبوں کی تکمیل کرے گا۔ وہ عمر کے آخری دور میں پہنچ چکا ہوگا اور سیزارین جوان ہوجائے گا۔ مصر میں عموماً پندرہ سال کی عمر بلوغت کی عمر سمجھی جاتی ہے اور مصر کے اکثر فرعون تو خاصی کم عمری میں تخت نشین ہوئے۔ لہٰذا یہ اندیشہ بھی نہیں تھا کہ سیزر پندرہ بیس سال اور نہ جی سکا تو اس کے عہدوں پر کوئی دوسرا قابض ہوجائے گا۔ ایک دفعہ سیزارین بادشاہ بن جاتا تو یہ رومی بادشاہت نہ ہوتی بلکہ مصری کے بطلیموس خاندان کا ہی تسلسل ہوتا کیونکہ مصر میں وراثت ماں سے چلتی ہے۔ ایک عام النسل شخص بھی بادشاہ

ہو سکتا تھا۔ بشرطیکہ اس کی ماں کی رگوں میں شاہی خون ہو اور پھر سیزارین کو روم کے بجائے اسکندریہ کو اپنا دارالسلطنت بنانے سے کون روک سکتا تھا۔ فی الوقت سیزر جو کچھ روما اور اپنے مفاد میں کر رہا تھا، وہ آگے چل کر مصر اور قلوپطرہ کا مفاد بن جاتا۔

ماں بن جانے کے بعد قلوپطرہ کو احساس ہوا کہ اس کے بیٹے کی راہ میں جتنے کم کانٹے ہوں، اتنا ہی بہتر ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے چھوٹے اور بچ جانے والے واحد بھائی بطلیموس پندرہ کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا۔ روایت ہے کہ اسے زہر دے دیا گیا تھا اور پھر اس کی لاش غائب کر دی گئی۔ یوں اصل بطلیموس خانوادے کا آخری چشم و چراغ بھی سیاست کی آندھی کی زد میں آکر گُل ہو گیا۔

اس دوران میں سیزر نے اس قسم کے اقدامات شروع کر دیے۔ جن سے اس کی بادشاہی کے ارادے صاف جھلک رہے تھے۔ اس نے سینیٹ کے ایوان میں اپنا بت نصب کرایا۔ جہاں پہلے ہی سات رومی بادشاہوں کے بت تھے پھر اس نے زرتار قبا پہننی شروع کی جو صرف بادشاہوں کے لیے مخصوص تھی اور ساتھ ہی رومی سکوں پر اس کے چہرے کے نقوش کندہ کیے جانے لگے۔ اس سے روم کے جمہوریت پسند عوام میں بددلی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ دراصل انہیں سیزر کے بادشاہ ہونے پر اتنا اعتراض نہیں تھا جتنا کہ اس پر، سیزر خود کو ان کے سامنے ایک مقدس ہستی کے طور پر پیش کر رہا تھا۔ یہ سراسر مصری خرافات تھی اور روم کے باشندے اس کے قائل نہیں تھے پھر وہ دیکھ رہے تھے کہ سیزر کے گرد مصری مشیروں اور علم و فنون کے ماہروں کا مجمع بڑھتا جا رہا تھا۔ مصر سے ماہر ہیئت داں، ماہرین تعمیرات، سکہ سازی کے ماہر اور فلسفی دانش ور چلے آ رہے تھے۔ سب سے زیادہ غم و غصہ اس بات پر تھا کہ دارالحکومت روم کے بجائے اسکندریہ بنے گا۔ یہ فی الوقت افواہ تھی مگر سیزر کے مخالفوں نے اسے خوب ہوا دی اور سارا الزام قلوپطرہ پر عائد کر دیا۔ سیزر نے فاش غلطی کی کہ اس پروپیگنڈے کا توڑ نہیں کیا۔ دراصل ان دنوں سیزر چاہتا تھا کہ اپنی طویل غیر حاضری میں ایسے تمام امور طے کر جائے جن میں آئندہ اس کی رائے کی ضرورت پیش آتی۔ خاص طور سے امور حکمرانی تاکہ کوئی اس کی عدم موجودگی میں مختار مطلق بننے کی کوشش نہ کرے۔ اسے مخالفوں کی حرکتوں کا اچھی طرح علم تھا لیکن اس کے خیال میں وہ جن عظیم منصوبوں پر عمل کر رہا تھا۔ اس کی توجہ ان چھوٹے چھوٹے لوگوں میں ضائع نہیں ہونی چاہیے مگر بعد میں ان چھوٹے چھوٹے لوگوں نے وہ شورش برپا کی جو بالآخر سیزر کے خاتمے پر ختم ہوئی۔

سیزر کی تیاریاں بتا رہی تھیں کہ اس کا مقصود صرف پارس کی تسخیر نہیں تھا بلکہ وہ اس سے بھی آگے ہندوستان اور پھر دوسرے مشرقی ممالک کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ جب وہ مال غنیمت سے لدا پھندا فاتحانہ انداز میں واپس آئے تو روم کے لوگ خود اسے بادشاہی سے سرفراز کریں۔ فی الوقت تو فضا اسے اعلان شاہی کے لیے موزوں نظر نہیں آتی تھی۔ اول تو یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ بادشاہ کی حیثیت سے وہ طویل عرصے دارالحکومت سے غائب رہے۔ دوسرے وہ کسے اپنا نائب بنا کر جاتا۔ ان حالات میں بہتر یہی تھا کہ وہ شاہی تاج روم واپسی پر پہنے۔ اس وقت تک حالات اس کے اور قلوپطرہ کے حق میں ہموار ہو جاتے۔

سیزر نے قلوپطرہ کو واپس مصر بھیجنے کا فیصلہ کیا اور روانگی سے پہلے اپنا وصیت نامہ سینیٹ کے پاس سربمہر رکھوا دیا۔ اس نے اپنی موت کی صورت میں جائداد کا اکثر حصہ اپنے بھتیجے آکٹوین کے نام کر دیا تھا۔ کچھ حصہ غریبوں کی فلاح و بہبود کے لیے تھا اور اس کی قانونی بیوی کلپورنیا کا حصہ سب سے کم تھا۔ وصیت میں اس کا سپہ سالار اعلیٰ کا عہدہ اس کے بیٹے سیزارین کے لیے وقف تھا۔

یہ جاننے کے لیے کہ روم کے عوام سیزر کی بادشاہت پر کس حد تک رضامند ہیں، ایک انوکھا منصوبہ بنایا گیا۔ روم کے باسی فروری کے مہینے میں لوپر کسی دیوتا کا تہوار مناتے تھے۔ یہ عام جشن کا تہوار تھا۔ جس میں پہلے دیوتا کے حضور ایک کتے اور ایک بکرے کی قربانی دی جاتی۔ ان جانوروں کی کھال باریک رسیوں میں بٹ کر اس سے چابک تیار کیا جاتا تھا پھر دو مہاپروہت ان چابکوں کو لے کر نکل جاتے اور شہر میں نظر آنے والی ہر عورت پر یہ چابک آزماتے اور ہر عورت بخوشی چابک کھاتی کیونکہ ان کا عقیدہ تھا۔ اس سے بدارواح دور ہو جاتی ہیں اور عورت صاحب اولاد ہوتی ہے۔ جن عورتوں کو اولاد کی خواہش ہوتی، وہ جان بوجھ کر پجاریوں کے سامنے آتی تھیں۔ لوپر کسی تخلیق کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ بالکل مصری دیوتا آمون کی طرح اور مصری بھی کچھ اسی قسم کا تہوار مناتے تھے کیونکہ اس میں استعمال ہونے والا چابک فرورا کہلاتا تھا۔ لہٰذا اس کی مناسبت سے یہ مہینہ جس میں تہوار منعقد ہوتا تھا، فروری کہلانے لگا۔

سیزر جو بزعم خود دیوتا تھا اور دیوی دیوتاؤں کا قائل بھی نہیں تھا، اس نے قلوپطرہ کے کہنے پر اس تہوار میں بھرپور

حصہ لیا۔ اس کے ماتحت انتونی اور مارکسی اس تقریب میں مہا پجاری تھے۔ وہ جوش جذبات میں بھرے ہوئے ہر سامنے آنے والی عورت پر چابک برسا رہے تھے اور جب ان کا سامنا سیزر سے ہوا تو انتونی نے اسے تخلیق کا دیوتا قرار دیا اور اسے سلام کیا۔ اس سے چاروں طرف جوش و ہیجان پھیل گیا۔ انتونی نے اس جوش و خروش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک تاج برآمد کیا اور اسے سیزر کو پیش کیا اور کہا "اے آسمانی دیوتا۔ دنیا کی اس حقیر حکومت کا تاج بھی قبول کریں۔"

اس پُر ہجوم میں پوشیدہ انتونی کے آدمیوں نے نعرہ ہائے تحسین بلند کیا مگر عوام کی اکثریت خاموش رہی۔ ان کے چہروں سے ناپسندیدگی کے جذبات عیاں تھے۔ اس پر سیزر نے بادلِ ناخواستہ تاج مسترد کردیا "نہیں مجھے اس تاج کی ضرورت نہیں ہے۔" سیزر کے جواب پر عوام نے نعرہ ہائے تحسین بلند کیا۔ اس سے سیزر کو ان کے جذبات کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ انتونی نے اصرار کیا اور اس نے پھر انکار کردیا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ روم کے عوام ابھی اسے بادشاہ کے روپ میں برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ یوں سیزر اور قلوپطرہ کے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ سیزر کی روانگی سے پہلے قلوپطرہ نے مناسب سمجھا کہ اسکندریہ روانہ ہوجائے۔

○☆○

قلوپطرہ کی اس سرگزشت میں سیزر کے بعد دوسرا اہم ترین کردار مارک انتونی تھا۔ سیزر کا یہ جاں نثار دوست اور دستِ راست درمیان میں اس سے ناراض ہوا تھا لیکن جلد دونوں میں صلح ہوگئی تھی مگر پہلے کی سی بات نہیں رہی تھی۔ سیزر اس پر انحصار ضرور کرتا تھا لیکن اعتماد نہیں۔ صلح کے بعد وہ اس کے منصوبوں میں برابر کا شریک اور ان کا پُرجوش حامی رہا۔ وہ متعدد بار قلوپطرہ سے ملا اور یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ اس کے لاثانی حسن سے متاثر نہ ہوا ہو۔ وہ نسوانی تکمیل کے بعد اور بھی نکھر گئی تھی۔ خود انتونی عشق و محبت کے معرکوں میں کسی طرح سیزر سے پیچھے نہیں تھا۔

صلح کے بعد بھی سیزر کا دل انتونی کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ اس نے متعدد افراد کو روم میں اعلیٰ عہدوں پر تعینات کیا اور روانگی کی وجہ سے کونسل میں اپنی خالی ہونے والی نشست پر ڈولا بیلا نامی پچیس سالہ نوجوان کو منتخب کرا دیا۔ یہ لالچی اور خوشامدی شخص بلا کا موقع شناس تھا۔ سیزر کی خوشامد کرکے اس نے یہ عہدہ حاصل کیا تھا۔ اس سے انتونی سخت خفا ہوا کیونکہ یہ لوفر شخص ایک زمانے میں اس کی بیوی انتونیا پر عاشق تھا اور اس کی وجہ سے انتونی نے اسے طلاق دے کر فلویا سے شادی کی تھی۔ انتونی پہلے ہی غضب ناک تھا اور سیزر نے اسے کوئی عہدہ نہ دے کر مزید آتش زیرپا کردیا تھا۔ لہٰذا ایک بار پھر افواہ اڑی کہ انتونی 'ڈولا بیلا سے سازباز کررہا ہے۔ سیزر نے اس افواہ پر کہا تھا۔

"مجھے ان موٹے بدمعاشوں کی قطعی فکر نہیں ہے۔ البتہ کچھ زرد دُبلے لوگوں کی طرف سے فکرمند ہوں۔"

اس کا اشارہ کیشیس کی طرف تھا۔ یہ شخص جتنا اچھا سپاہی تھا اتنا ہی چالاک سیاست داں بھی تھا مگر آدمی حد درجے خبیث اور ناقابل اعتبار تھا۔ پومپی کا ساتھی تھا مگر بعد میں سیزر نے اسے معاف کردیا۔ اس احسان فراموش نے سیزر کے لیے دل میں کینہ پال رکھا تھا۔ وہ شہنشاہیت کا زبردست مخالف تھا۔ اب وہ سیزر کی بادشاہی کی مخالفت کررہا تھا اور اس نے رفتہ رفتہ اپنے ہم خیال لوگوں کو جمع کرنا شروع کردیا تھا۔ اس نے نہ جانے کیسے بروٹس کو اپنا ہمنوا بنالیا۔ یہ وہ شخص تھا جس پر سیزر سب سے زیادہ بھروسا کرتا تھا۔ اس نے ایک بار بروٹس کو اپنا جانشین بنانے کی کوشش بھی کی تھی۔ اب وہی بروٹس اس کے قاتلوں سے مل چکا تھا اور وہ اس معاملے میں اتنا ملوث تھا کہ جب سیزر تک سازش کی اطلاع پہنچی تو سازشیوں میں بروٹس کا نام بھی شامل تھا اور شاید اسی وجہ سے سیزر نے اس رپورٹ پر یقین کرنے سے انکار کردیا۔

بروٹس پر سیزر کی شفقت کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ سیزر کے مخالفین الزام لگاتے ہیں کہ بروٹس درحقیقت اس کی اولاد تھا کیونکہ بروٹس کی پیدائش سے پہلے سے سیزر کے اس کی ماں سرویلیا سے تعلقات تھے مگر بروٹس نے ہمیشہ اس کی تردید کی۔ سرویلیا کیٹو کی بہن تھی۔ جس نے سیزر کے خلاف جنگ میں ناکامی پر خودکشی کرلی تھی۔ بروٹس کی شادی کیٹو کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے بروٹس کے دل میں سیزر کے لیے عداوت کی کئی وجوہات موجود تھیں۔ اس کے باوجود سیزر کا اس نوجوان پر اعتماد حیرت انگیز تو تھا ہی بلکہ عبرت انگیز بھی تھا اور اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی تھی۔ بروٹس کا باپ پومپی کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور سیزر نے پومپی کو شکست دے کر اس کا بدلہ لے لیا تھا مگر جب سیزر اور پومپی کا آمنا سامنا ہوا تو یہ شخص پومپی کے کیمپ میں پایا گیا۔ جنگ جیت لینے کے بعد سیزر نے اسے معاف کردیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے بروٹس کو اپنے اعتماد اور اعزازات سے نوازا تھا۔

سیزر کی بدقسمتی کہ اصول پرست اور ایمان دار بروٹس

شہنشاہیت کا مخالف تھا اور غالباً کیشیس نے اسی مخالفت کی بنا پر بروٹس کو اپنے کیمپ میں شامل کرلیا تھا۔ قاتلوں نے بروٹس کو اس حد تک بھڑکایا کہ وہ اپنے مربّی اور محسن کے قتل پر آمادہ ہوگیا۔ سیزر کے مخالف بدستور کام کررہے تھے۔ وہ افواہیں پھیلا رہے تھے کہ سیزر پارس کی مہم پر روانگی سے دو دن پہلے پندرہ مارچ کو تاج شاہی اپنے سر پر سجالے گا۔ لہٰذا سازشی افراد نے اسی روز اس کی زندگی کے خاتمے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

قلوپطرہ جو ابھی روم ہی میں تھی اور جانے کی تیاری کررہی تھی۔ اس امید میں تھی کہ ممکن ہے کہ سیزر سچ مچ بادشاہ بن جائے اور وہ ملکۂ روم کی حیثیت سے واپس اپنے ملک جائے مگر سیزر نے اسے سمجھا دیا کہ فی الوقت اعلان شاہی مناسب نہیں ہے۔ ۱۵ مارچ کی صبح سیزر کلپورینا کے گھر مقیم تھا۔ اس روز وہ خاصا مضطرب تھا اور شاید اس کی چھٹی حس اسے آنے والی موت کے اشارے دے رہی تھی۔ صرف سیزر ہی نہیں بلکہ بہت سارے لوگ اس روز فکر و اضطراب محسوس کررہے تھے۔ کچھ دن پہلے آسمان پر ایک دُم دار ستارہ نظر آیا تھا۔ روم میں دُم دار ستارہ نظر آنا نحوست کی نشانی تھی۔ جس کا مطلب ہوتا تھا کہ کوئی بڑی شخصیت دنیا سے رخصت ہونے والی ہے۔ پورا شہر سہما ہوا تھا۔ لوگ بھی محسوس کررہے تھے کہ کوئی واقعہ ہونے والا ہے۔ ایک نجومی نے پیش گوئی کی کہ آج سیزر کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے۔ وہ باہر نکلنے سے گریز کرے۔ نہ معلوم وہ واقعی کوئی باکمال نجومی تھا یا اسے سازش کی بھنک پڑگئی تھی۔

قتل سے ایک دن پہلے کی رات سیزر اور کلپورینا پر بھاری گزری۔ کلپورینا نے خواب میں دیکھا کہ سیزر کو قتل کیا جارہا ہے۔ نجومی کی پیش گوئی اور پھر کلپورینا کے خواب نے سیزر کو بھی سوچنے پر مجبور کردیا اور جب اس نے سیزر سے التجا کی کہ وہ آج باہر نہ جائے تو اس نے یہ بات مان لی۔ دوسری طرف سیزر کے قاتل ایوان میں جمع ہوگئے تھے۔ انہوں نے سیزر کی قتل گاہ تک چن لی تھی۔ یہ ایوان کا داخلی برآمدہ تھا۔ جہاں پومپی کا مجسمہ نصب تھا مگر جب سیزر کی آمد کے آثار نہ ملے تو وہ بدحواس ہوگئے۔ یہ سوچ کر کہ ان کی سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے پھر سازشیوں نے سیزر کے ایک قریبی دوست ڈیمس ایلینس کو اس کے پاس بھیجا تاکہ وہ کسی طرح سیزر کو ایوان تک لے آئے۔ ڈیمس جب سیزر کے پاس پہنچا تو وہ آرام سے گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور بظاہر اس کا ایوان تک آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ڈیمس نے کیونکر سیزر کو ایوان میں آنے پر رضامند کیا مگر ایک روایت ہے کہ ڈیمس نے سیزر کو ترغیب دی کہ وہ آج ایوان میں آئے تو اراکین اسے رومی مقبوضات کا بادشاہ تسلیم کرلیں گے اور اسے تاج پیش کیا جائے گا۔ جسے وہ سوائے روم کے ہر جگہ پہن سکے گا۔

مگر اغلب امکان یہ ہے کہ سیزر جیسے عقلیت پسند کو جوش دلایا گیا ہوگا کہ وہ ایک نجومی اور ایک عورت کی بات پر یقین کرکے گھر بیٹھ گیا۔ سیزر جوش میں آکر ایوان جانے کو تیار ہوگیا۔ وہ ڈیمس کے ساتھ گھر سے نکلا۔ راستے میں اس کے خیر خواہ ملے جنھوں نے اسے خبردار کیا۔ وہ نجومی بھی ملا جس نے آج قتل کی پیش گوئی کی تھی مگر سیزر کسی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ایوان جا پہنچا۔ جہاں اس کے قاتل بے چینی سے برآمدے میں اس کے منتظر تھے۔ انہیں یہ خوف بھی تھا کہ عین آخری موقع پر سازش کا راز فاش نہ ہوجائے کیونکہ ان کی تمام تر احتیاطوں کے باوجود یہ بات بعض بااثر افراد تک جا پہنچی تھی۔ خدا خدا کرکے سیزر نمودار ہوا تو سازشی یہ دیکھ کر پریشان ہوگئے کہ اس کے پیچھے انتونی بھی تھا اور وہ انتونی کے قتل کے حق میں نہیں تھے۔ لہٰذا ایک شخص ٹریبی فیس کو مامور کیا گیا کہ وہ انتونی کو باتوں میں لگا کر ایوان کے باہر ہی روک دے۔

سیزر ایوان میں داخل ہوا اور اپنی نشست تک پہنچا ہی تھا کہ قاتل ٹولے نے اسے گھیر لیا۔ دیگر ارکان کو ابھی اندازہ بھی نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے سیزر پر حملہ کردیا۔ قاتل سارے وہی تھے۔ جن پر سیزر کے احسانات تھے۔ کیسکا جیسے حال ہی میں سیزر نے ترقی دی تھی۔ کیشیس جس کی سیزر نے فارسیلیا کی جنگ میں جاں بخشی کی تھی اور سب سے بڑھ کر بروٹس جسے سیزر اپنے بیٹے کی طرح چاہتا تھا۔ قاتلوں نے بیک وقت خنجر اور تلواروں سے اس پر حملہ کیا اور اسے بری طرح زخمی کردیا لیکن اس حالت میں بھی سیزر خنجر نکال کر مقابلے پر آگیا اور گھیرا توڑ کر برآمدے کی طرف بھاگا اور اس وقت دم بخود رہ گیا جب اس نے بروٹس کو خنجر بدست پومپی کے مجسمے کے قریب کھڑے دیکھا۔ وہ اس قدر حیران تھا کہ جب بروٹس نے اس کے سینے میں خنجر اتارا تو وہ مزاحمت بھی نہ کرسکا۔ اس کے منہ سے صرف اتنا نکلا۔۔۔

"بروٹس تم بھی۔۔۔!"

کیا کچھ نہیں تھا ان الفاظ میں بے وفائی کا غم، بے یقینی کا جگر خراش تاثر، اعتبار کی ٹوٹی کرچیاں، اب کوئی کسی پر اعتماد نہ کرے۔ سیزر ان الفاظ کے ساتھ ہی ڈھیر ہوگیا۔ اس کے

لرزاں و ترساں قاتلوں کی جماعت جو دوڑی چلی آرہی تھی' اس پر ٹوٹ پڑی اور چشم زدن میں متعدد تلواروں نے سیزر کو زخم زخم کردیا۔ قاتل اس کے بچ جانے سے اتنے خوف زدہ تھے کہ ہیجان کے عالم میں تلواریں برساتے ہوئے انہوں نے ایک دوسرے کو بھی زخمی کردیا تھا۔ سیزر پر قاتلانہ حملے کا منظر دیکھ کر باقی اراکین ایوان سے فرار ہو گئے تھے۔ قاتلوں نے پہلے سے ایوان کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے ایک تقریر تیار کر رکھی تھی۔ یہ تقریر بروٹس کرتا لیکن اب وہ کس کے سامنے تقریر کرتا۔ لہٰذا قاتل نعرے لگاتے شہر کے مرکزی چوک پر پہنچے۔ عوام سیزر کے قتل کی اطلاع پاکر وہاں جمع تھے اور جب ایک شخص نے سیزر کے خلاف دل آزار تقریر شروع کی تو لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھے تھے۔ اس پر قاتل ٹولہ جان بچانے کے لیے ایوان میں گھس گیا۔

اگلے روز حالات معمول پر لانے کے لیے عارضی معافی کا اعلان ہوا۔ جو انتونی کے ایما پر ہوا تھا۔ چالاک انتونی سیزر کے قاتلوں سے انتقام کے چکر میں پڑنے کے بجائے سیزر کی جگہ سنبھالنے میں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا لیکن اس نے قاتلوں کو دل سے معاف نہیں کیا تھا۔ پانچ روز تک سیزر کی لاش احترام سے رکھ کر بالآخر اس کی آخری رسومات ہوئیں تو پورا روم شمشان گھاٹ پر امنڈ آیا تھا۔ واضح رہے' رومی اپنے مردے جلاتے تھے۔ اس موقع پر انتونی نے ہجوم کے جذبات کو بھڑکایا اور سیزر کی موت پر وہ دردناک نثری مرثیہ پڑھا جو آج بھی سننے والوں کو بیتاب کردیتا ہے۔ انتونی خود بھی روتا رہا اور ہجوم کو بھی رلاتا رہا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ جب سیزر کی لاش کو آگ لگائی گئی تو لوگ غیظ و غضب سے دیوانے ہو رہے تھے اور اس وقت قاتل یا ان کا کوئی ہمدرد ان کے سامنے آجاتا تو وہ اس کی بوٹیاں نوچ ڈالتے۔ جب شمشان کی آگ بجھ گئی تو لوگوں نے قاتلوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ کیا مگر انتظامیہ نے بمشکل ہی اس ہنگامے پر قابو پالیا۔

سیزر کی بیوی کلپورنیا کی حالت خراب تھی۔ بے شک سیزر اس پر زیادہ توجہ نہیں دیتا تھا اور اب تو اس نے قلوپطرہ کی شکل میں سوکن بھی لا بٹھائی تھی لیکن کلپورنیا اس سے سچ مچ محبت کرتی تھی۔ اس کی درخواست پر انتونی نے سیزر کے کیل کے فرائض سنبھال لیے اور اس کا وصیت نامہ' جائداد ور دیگر کاغذات سب انتونی کے قبضے میں تھے۔ آخری سومات کے بعد سیزر کا وصیت نامہ پڑھا گیا۔ اس نے اپنی ولت میں سے ہر رومی کے لیے تین سو درہم کا اعلان کیا تھا۔ دیہاتی محل اور اس سے ملحق جاگیر عام وقف کردی تھی۔ باقی ماندہ جائداد میں سے تین چوتھائی آکٹوین کو اور باقی میں سے نصف نصف اس کے دو بھانجوں کو ملی۔ نہ تو کلپورنیا' نہ قلوپطرہ اور نہ ہی انتونی کے حصے میں کچھ آیا۔ کیونکہ سیزر نے سیاست اور عہدوں میں اپنا جانشین آکٹوین کو مقرر کیا تھا۔

سب سے زیادہ بدنصیب قلوپطرہ رہی تھی۔ سیزر کی ناگہانی موت نے اس کے تمام خواب بکھیر کر رکھ دیے تھے۔ کہاں وہ ملکۂ عالم بننے جارہی تھی اور کہاں اسے صرف مصر کی ملکہ ہونے پر قناعت کرنا تھی۔ دوسرا دھچکا اسے سیزر کی وصیت سے لگا تھا۔ اس کی وصیت میں قلوپطرہ یا ننھے سیزارین کا نام نہیں تھا۔ بلکہ اسے اپنی اور سیزارین کی جان خطرے میں لگ رہی تھی۔ اس کی خوش قسمتی کہ آکٹوین روم میں نہیں تھا اور قلوپطرہ کے پاس موقع تھا کہ وہ ننھے سیزارین کی جانشینی کا اعلان کردے یا روم سے نکل بھاگے۔ اس موقع پر قلوپطرہ اور انتونی نے محسوس کیا کہ ان کا باہمی اتحاد ان کے مفاد کے لیے از حد ضروری ہے۔ قلوپطرہ جانتی تھی کہ آکٹوین برسرِ اقتدار آگیا تو مصر کی آزادی بھی خطرے میں پڑجائے گی۔ دوسری طرف انتونی کی اہمیت بھی ختم ہوجاتی۔ اگر وہ دونوں کسی طرح آکٹوین کو اپنے راستے سے ہٹادیتے تو نہ صرف سیزارین کی جانشینی بھی ممکن تھی بلکہ انتھونی اس کا سرپرست بن کر مدتوں حکمرانی کے مزے لوٹ سکتا تھا۔ غالباً انتونی نے قلوپطرہ کو روم میں ٹھہرے رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ اس دولت مند ملکہ کے قوت و اختیار کو اپنے مفاد میں استعمال کرنا چاہتا تھا۔

سیزر کے مرتے ہی حالات میں ڈرامائی تبدیلی آئی۔ اس کے قاتلوں کو روم سے دور رکھنے کے لیے دور دراز کے صوبوں میں بھیج دیا گیا تھا۔ بروٹس اور کیشیس کو مقدونیہ اور شام کے صوبوں کی گورنری دے کر روانہ کردیا۔ انتونی اور ڈولا بیلا جو آپس میں شدید دشمن تھے۔ اس فیصلے کے خلاف متحد ہو گئے کیونکہ سیزر نے ان دونوں صوبوں کی امارت انتونی اور بیلا کو دی تھی۔ اس اثنا میں آکٹوین کی آمد کا غلغلہ اٹھا جو سیزر کے قتل کی خبر پاکر روم کی طرف آرہا تھا۔ اہل شہر بھی دیکھنے لگے کہ کل کا یہ چھوکرا انتونی جیسے پرانے گھاگ کا مقابلہ کیسے کرتا ہے۔ حسبِ توقع شہری دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک انتونی کا حامی تھا تو دوسرا آکٹوین کا۔

آکٹوین روم آیا تو انتونی نے حکومت اس کے حوالے کرنے سے انکار کردیا کہ وہ ناتجربے کار تھا اور سیزر کے معاملات سنبھالنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس پر خوب

فساد ہوا اور خانہ جنگی کی نوبت آگئی۔ کچھ لوگوں کی کوشش سے صلح صفائی ہوئی مگر نیت میں خرابی تھی لہٰذا صلح تادیر قائم نہیں رہی اور انتونی ایک شدید جھگڑے کے بعد روم سے رخصت ہوگیا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ فوجیں لے کر روم پر چڑھائی کرنے والا ہے۔ انتونی کے مخالفین آکٹوین کو شہ دے رہے تھے اور ان میں سسرو جیسے مفاد پرست پیش پیش تھے مگر روم کے کچھ دردمند سرداروں نے بالآخر انتونی، آکٹوین اور لیپڈس کو ایک جگہ جمع کیا اور ان کے درمیان طے پایا کہ وہ روم میں مشترکہ طور پر حکومت کریں گے اور صوبہ جات ان تینوں میں تقسیم کردیے جائیں گے۔

اس اتحاد کا خمیازہ اتحاد کرانے والوں اور پوری رومی کونسل کو بھگتنا پڑا کیونکہ تینوں نے بالا اتفاق طے کیا کہ اپنے اپنے دشمنوں کا صفایا کردیں گے۔ انہوں نے باقاعدہ فہرست تیار کی۔ جن میں حکومت کے سو بڑے ارکان اور روما کے دو ہزار معزز افراد شامل تھے۔ اس کے بعد تینوں اپنی فوجیں لے کر نکلے اور مخالفوں کا صفایا شروع کردیا۔ بے پناہ قتل عام ہوا۔ صرف مخالفین ہی نہیں بلکہ ان کے ہمدرد بھی مارے گئے۔ ان کے مال و دولت پر یہ تینوں قابض ہوگئے۔ اس طرح انہوں نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ مخالفوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور دولت بھی جمع کرلی جو ان کے آئندہ کے منصوبوں میں کام آتی۔

کیشیس اور بروٹس کو اپنا انجام صاف نظر آرہا تھا۔ لہٰذا انہوں نے آکٹوین اور انتونی کے خلاف اتحاد کرلیا۔ کیشیس نے مصر پر حملہ کیا تاکہ وہاں کی دولت سے ایک بڑا لشکر تیار کرسکے لیکن قلوپطرہ نے کامیابی سے مصر کا دفاع کیا۔ اب وہ خود کو اکیلے ہی حکومت کرنے کے لیے تیار کرچکی تھی اور ان دنوں مصر کی فوجی طاقت بڑھا رہی تھی۔ وہ آکٹوین کی دوست نہیں تھی کہ وہ جانشینی کے معاملے میں سیزارین کا حریف تھا۔ ابتدا میں اسے انتونی سے امید تھی تو اس نے آکٹوین سے صلح کرکے قلوپطرہ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

اگلے سال انتونی نے ایک عظیم لشکر لیا اور بروٹس اور کیشیس پر چڑھ دوڑا۔ کیشیس لڑائی میں کام آیا اور بروٹس نے خودکشی کرلی کیونکہ آکٹوین نے اس معرکے میں حصہ نہیں لیا تھا۔ لہٰذا فتح کا سہرا اکیلے انتونی کے سر بندھا۔ اس وقت آکٹوین حد درجے نامقبول تھا اور انتونی کو روم کا سب سے بڑا آدمی تسلیم کرلیا گیا تھا پھر اس نے ایک لشکر لیا اور یونان اور وسط ایشیا کو فتح کرڈالا۔ یہ عظیم ترین کامیابی تھی جو انتونی کے حصے میں آئی۔ اس نے شہر تارسس کو اپنا صدر مقام بنا لیا اور یہیں سے قلوپطرہ کو صلح کا پیغام بھیجتے ہوئے مذاکرات کی دعوت دی۔

"آؤ ہم مل کر اپنے گلے شکوے دور کرلیں۔"

○☆○

قلوپطرہ صبر و تحمل سے اسکندریہ میں بیٹھی روم کے حالات کا جائزہ لے رہی تھی۔ سیزر کے قتل نے اس کے خواب ضرور پریشان کیے تھے لیکن اس کی امیدیں اور اس کا حوصلہ برقرار تھا۔ مصر کی طاقت اس کی دولت تھی اور روم کی طاقت اس کی مضبوط ترین فوجی قوت و ہیبت تھی۔ قلوپطرہ ملکۂ عالم بننے اور اپنے بیٹے کو شہنشاہ بنانے کے لیے رومی طاقت کو استعمال کرنا چاہتی تھی۔ سیزر کے بعد صرف انتونی ہی ایسا شخص تھا۔ جس سے قلوپطرہ کو تھوڑی بہت امید تھی۔ قلوپطرہ کے لیے یہ ذرا سی امید بھی بہت تھی۔ انتونی کے آکٹوین سے اتحاد نے اسے تھوڑا سا مایوس کیا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ اتحاد زیادہ دن نہیں چلے گا۔ وہ سکون سے اس اتحاد کے خاتمے کا انتظار کررہی تھی۔ جلد انتونی نے فتوحات کے سہارے بلند مقام حاصل کرلیا اور پوری طرح سیزر کی جگہ سنبھال لی۔ لہٰذا جب تارسس سے قلوپطرہ کو اس کا دعوت نامہ ملا تو وہ فوراً وہاں جانے کو تیار ہوگئی۔ اسکندریہ کی شاہی گودی میں عظیم الشان اور حسین ترین شاہی بجرہ تیار ہوا۔ ساتھ ہی ایک عظیم الشان بیڑا بھی تھا۔ جس معیت میں قلوپطرہ اسکندریہ سے روانہ ہوئی۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کس طرح اس رومی دیو کے دل و دماغ کو قابو کرنا ہے۔ وہ پوری تیاری سے روانہ ہوئی تھی۔

تارسس کا تاریخی شہر دریائے سڈنی کے دہانے سے ذرا اوپر سلسلہ کوہستانی میں ایک دریائی بندرگاہ تھا۔ یہ شہر اپنی جہاز سازی کے لیے مشہور تھا۔ قلوپطرہ کا بیڑا دریا کے دہانے سے ہوتا ہوا تارسس کی دریائی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ انتونی منتظر تھا کہ قلوپطرہ خود چل کر اس کے دربار میں آئے گی مگر قلوپطرہ اتنی کچی کھلاڑی نہیں تھی۔ وہ آرام سے اپنے شاہی بجرے پر بیٹھی رہی۔ حتیٰ کہ انتونی نے کھسیا کر اسے اپنے محل میں دعوت پر مدعو کیا۔ قلوپطرہ نے دعوت قبول کرنے کے بجائے اسے جوابی دعوت دی۔ جو انتونی نے قبول کرلی۔ اس دعوت میں قلوپطرہ نے اس قسم کی شان و شوکت اور دولت مندی کا مظاہرہ کیا کہ انتونی اور اس کے رفقا دنگ رہ گئے۔ دعوت ہی کچھ کم نہیں تھی۔ قلوپطرہ نے دعوت کے بعد تمام تر سامان جس میں طلائی برتن، ظروف اور فرنیچر تھا۔ مہمانوں کو تحفے میں دے دیے۔ اس دعوت اور ساز و سامان کا تخمینہ

کسی طرح پانچ لاکھ پاؤنڈز سے کم نہیں تھا۔ ملکہ نے اگلے روز پھر دعوت کی۔ جس کے سامنے پہلی والی دعوت بھی ہیچ تھی۔ اس میں دولت پانی کی طرح بہہ رہی تھی لیکن انتونی کو جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ خود ملکہ کی ذات تھی۔ جس میں شاہانہ وقار کے ساتھ، خاص ادائے دلبری بھی تھی۔ جو صرف انتونی کے لیے مخصوص تھی۔

ان دعوتوں میں مصر کی صدیوں پرانی تہذیب کی نفاست اور شائستگی سجی ہوئی تھی۔ یہ بات روم میں عنقا تھی۔ جو کہلانے کو تو شہر تھا لیکن اس کی ثقافت اٹلی کے کسی عام گاؤں سے مختلف نہیں تھی۔ انتونی نے قلوپطرہ کے مقابلے میں احساسِ کمتری محسوس کیا تھا اور غالباً یہی قلوپطرہ کا مقصد تھا۔ یورپی مؤرخ جو پہلے ہی ملکہ کو ایک بدکردار اور فضول خرچ عورت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے ان دعوتوں کا خاص طور سے ذکر کیا۔ جن میں ایک موقع پر قلوپطرہ نے انتونی کو مرعوب کرنے کے لیے ڈیڑھ لاکھ پاؤنڈ مالیت کا ایک موتی جام میں ڈال کر پی لیا تھا۔ بظاہر یہ فضول خرچی کی انتہا نظر آئے گی لیکن کیا یہ واقعی فضول خرچی ہی تھی؟

سیزر کے بعد قلوپطرہ کو اپنے شایانِ شان کوئی شخص نظر آیا تو وہ انتونی تھا۔ سیزر جیسا قابل جرنیل اور سیاست داں، سب سے بڑھ کر اس کے دل میں بھی بادشاہ بننے کی وہی خواہش پل رہی تھی۔ جس نے سیزر کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ قلوپطرہ کے لیے موقع تھا کہ وہ انتونی کو اپنی طرف مائل کرکے ان منصوبوں کی تکمیل کرے جو سیزر کی ناگہانی موت سے ادھورے رہ گئے تھے۔ سیزارین ابھی بچہ تھا اور قلوپطرہ اس کے جوان ہونے تک کوئی ایسا سہارا چاہتی تھی جو اسے اور سیزارین کو دشمنوں سے محفوظ رکھے۔ انتونی کی صورت میں اسے یہ سہارا مل سکتا تھا۔ اب اگر دس بارہ لاکھ پاؤنڈز خرچ کرکے انتونی جیسے عظیم جرنیل کو اپنا طرفدار بنایا جاسکتا تو یہ یقیناً گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔

تارسس میں مقیم انتونی نئے منصوبوں کے بارے میں غور کررہا تھا مگر ان کے لیے درکار بے بہا خزانہ اس کے پاس نہیں تھا۔ بے شک یونان اور ایشیائے کوچک سے اس نے خاصی دولت سمیٹی تھی مگر یہ اس کے عظیم لشکر کے اخراجات کے لیے ناکافی ہی تھی۔ ایسے میں جب قلوپطرہ نے اسے اپنی شان و شوکت دکھائی تو یقیناً اس کے ذہن میں مصر کی دولت کا خیال آیا ہوگا۔ جس ملک کی ملکہ ایک دعوت میں اتنی رقم خرچ کردیتی ہو جو رومی فوج کے ایک ڈویژن کے سال بھر کے اخراجات کے برابر ہو تو اس ملک کی دولت کتنی بے اندازہ ہوگی۔ سیزر یہ بات جان چکا تھا مگر انتونی ابھی بے خبر ہی تھا۔ روم کے ذرائع آمدنی میں سرِفہرست لوٹ مار تھی۔ یعنی دوسرے ملکوں پر چڑھ دوڑنا۔ ان کی عوام کو قتل کرنا اور ان کی دولت لوٹ کر روم سے آنا مگر یہ آمدنی کا مستقل ذریعہ نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ رومی افواج نے پورے یورپ کو تباہ اور کنگال کردیا تھا۔ مشرقی ممالک میں یقیناً بہت دولت تھی لیکن اس دولت تک جانے والے راستے پر خون خوار پارسی بیٹھے تھے ایسے میں سب سے سہل دولت مصر کی تھی۔ جو بے اندازہ تھی بلکہ اس میں کمی کا بھی کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ یہ دولت لوٹ مار سے نہیں بلکہ دریائے نیل کے سالانہ مالیے سے حاصل ہوتی تھی اور مالیہ بھی اس قدر زیادہ کہ ملک کے تمام اخراجات پورے کرنے کے بعد بھی اس قدر بچ جاتا تھا کہ فرعونِ وقت اپنے تعمیرات اور دیگر شوق پورے کرسکتے تھے۔ لہٰذا ملکہ نے ایک سیاسی چال پر دس پندرہ لاکھ پاؤنڈز خرچ کردیئے تو اسے فضول خرچ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ وہ اپنے ملک اور اپنے خاندان کی بہتری کے لیے کررہی تھی۔

قلوپطرہ کے علاوہ اس کے خاندان کی واحد زندہ فرد شہزادی آرسینو تھی جو قبرص میں آرتیس کے مندر میں مقیم تھی۔ اسے قبرص کی حکومت دی گئی تھی مگر عملاً قبرص پر بھی قلوپطرہ کی حکومت تھی۔ اس کا گورنر سیرافین، آرسینو کے دباؤ میں تھا کیونکہ اسے آرتیس کے مہا پجاری کی حمایت حاصل تھی اور اس دباؤ کی وجہ سے اس سیرافین نے قبرص کا بحری بیڑا کیشیس کے سپرد کردیا تھا۔ انتونی اس بات پر قلوپطرہ سے خفا تھا۔ قلوپطرہ نے اس کی خفگی یوں دور کی کہ انتونی کے ایک فوجی دستے کو قبرص بھیجا اور آرسینو کے ساتھ سیرافین بھی قتل ہوا۔ اسے کہتے ہیں سیاست، انتونی کی خفگی بھی دور کردی۔ اپنے نافرمان کو سزا دلوادی اور اپنے دل میں اندیشوں کا چبھتا آخری کانٹا یعنی آرسینو کو بھی نکال پھینکا۔ البتہ مہا پجاری نے روگڑ گڑا کر اپنی جان بچالی تھی۔

مؤرخ آرسینو کے قتل کو قلوپطرہ کا سفاک ترین کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کا خون و کشت فرماں رواؤں کی تاریخ میں معمول کی بات ہے۔ ہر دور اور ہر خطے کے بادشاہوں اور ملکاؤں نے تاج و تخت کے دعوے داروں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ یہ ان کے لیے ضروری امر رہا ہے۔ لہٰذا قلوپطرہ کے معاملے میں اپنے بہن بھائیوں کے قتل کو غیر معمولی انداز میں اچھالنا سوائے تعصب کے اور کیا ہے۔ بعد میں آنے والے رومی شہنشاہوں نے اس سلسلے میں جو کارنامے انجام دیئے، ان کے مقابلے میں قلوپطرہ کے

کارنامے تو نیکی نظر آتے ہیں۔ بہرحال وہ جس مقصد کے لیے طویل سفر کرکے تارسس آئی تھی' وہ بخوبی پورا ہوا تھا۔ انتونی دل و جان سے اس کی حمایت پر آمادہ تھا۔ اسے قلوپطرہ کا غیر معمولی حسن کہیں یا اس کا بلند مرتبت سیاسی تدبر۔ اس نے تاریخ کی دو ایسی ہستیوں کو اپنے دامِ الفت میں الجھایا۔ جو بیک وقت عظیم فاتحین بھی تھے اور بے مثال مدبر بھی۔ ساتھ ہی وہ بے حد جاہ پرست تھے۔

○☆○

سیزر کے اصلی جانشین کی حیثیت سے انتونی کے ذہن میں وہ تمام منصوبے تھے جنہیں ادھورا چھوڑ کر سیزر راہی ملکِ عدم ہوا تھا۔ اول روم کو اپنی مکمل حمایت پر آمادہ رکھنا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ فی الوقت آکٹوین سے الجھنے سے گریز کرے لیکن روم کے معاملات الجھتے جارہے تھے۔ آکٹوین نے فلپی کی جنگ میں انتونی کے دوستوں کو استعمال کیا مگر جب مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا وقت آیا تو آکٹوین نے انہیں نظرانداز کردیا۔ یہ معاہدے کی صریحاً خلاف ورزی تھی۔ اس پر انتونی کی بیوی فلویا اور بھائی لوشیش انطونس نے آکٹوین کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کردی۔ انتونی اس جنگ کے لیے تیار نہیں تھا کیونکہ وہ پارس کی سلطنت کے خلاف کارروائی کا منصوبہ بنا رہا تھا اور اس مقصد کے لیے اسے مصر کی دولت' بحری بیڑا اور فوجی طاقت درکار تھی اور یہ طاقت صرف قلوپطرہ سے اتحاد کی صورت میں حاصل ہوسکتی تھی۔ لہٰذا انتونی نے روم کے بجائے اسکندریہ جانے کا فیصلہ کیا اور اپنے ایک جرنیل ڈیسٹس کو اپنا نائب مقرر کیا۔ انتونی عجلت میں تھا۔ کیونکہ اسے اطلاع ملی تھی کہ شاہ پارس نے ایک غدار رومی کمانڈار پکورس کی خدمات حاصل کی تھیں۔ جو پارس کے فوجی دستوں کو رومی طریقۂ جنگ کی تربیت دے رہا تھا۔ اس سے ظاہر تھا کہ جلد شاہ پارس رومی سلطنت کے خلاف کارروائی شروع کرنے والا ہے۔ انتونی اس کی پیش قدمی سے پہلے پارس سلطنت پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

روم میں متوقع جنگ کے پیشِ نظر انتونی کو وہاں جانا چاہیے تھا لیکن اس کے خیال میں شاہ پارس کے حملے کو روکنا زیادہ ضروری تھا۔ لہٰذا اس نے اسکندریہ جانے کا فیصلہ نہیں بدلا اور جب وہ اسکندریہ پہنچا اور اس کا جنگی جہاز شاہی گودی پہ لنگرانداز ہوا تو دلنواز قلوپطرہ اس کے استقبال کے لیے موجود تھی۔ قلوپطرہ نے صرف محل کے ہی نہیں بلکہ دل کے دروازے بھی انتونی کے لیے وا کردیے اور وہ اس کی پُرجوش رفاقت میں ایسا کھویا کہ چند دن اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ وہ روم اور تارسس کو بھی فراموش کر بیٹھا تھا۔ قلوپطرہ اس کے ہوش و حواس پر قابض ہونا چاہتی تھی تو وہ کچھ زیادہ ہی دیوانہ ہوگیا۔ ویسے بھی سیزر کے مقابلے میں انتونی زیادہ جذباتی شخص تھا۔ اسے اسکندریہ کے شاہی محل کی نفاست' شائستگی اور تعیشات نے بے حد متاثر کیا تھا۔ وہاں ایسی آسائشیں تھیں... جن کا روم میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کرم نوازی اور عیش و عشرت کے لمحات میں قلوپطرہ مسلسل اس کے ذہن میں یہ بٹھاتی رہتی کہ قلوپطرہ کا ساتھ دے کر وہ مصر کی دولت اور فوجی قوت کا مالک بن سکتا تھا۔

فطری طور پر انتونی متلون المزاج تھا۔ وہ ارادے کرتا اور انہیں بھول جاتا۔ فیصلے کرتا اور انہیں بدل دیتا۔ وہ بھول چکا تھا کہ اسکندریہ کس مقصد کے تحت آیا تھا۔ وہ یہاں کے ماحول سے اتنا متاثر ہوا کہ اس کے رنگ میں رنگ گیا۔ وہ یونانی لباس پہننے لگا اور یونانی زبان بولنے لگا۔ پہلے اسے علم اور عالموں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی لیکن قلوپطرہ کو خوش کرنے کے لیے وہ عالموں کی صحبت میں بیٹھنے لگا اور کبھی کبھار بحث و مباحثوں میں بھی حصہ لیتا۔ دوسری طرف قلوپطرہ اسے خوش کرنے کے لیے بچکانا کھیل تماشوں میں حصہ لیتی۔ انتونی کو شرارتیں کرکے اور لوگوں کو حیران پریشان کرکے مزہ آتا تھا۔ لہٰذا ملکہ اس کے ساتھ دہقانی بھیس بدل کر راتوں کو اسکندریہ میں گھومتی پھرتی۔ وہ دروازوں پر دستک دیتے اور اس سے پہلے کہ کوئی باہر آتا' وہ غائب ہوجاتے۔ کئی بار پکڑے گئے اور مار بھی کھائی۔ بعد میں وہ ان باتوں کو یاد کرکے خوب ہنستے۔

اسکندریہ انتونی کے لیے ایسا ہی تھا جیسے کسی بچے کے لیے فن ہاؤس۔ یہاں آکر اس نے خوب پُرزے نکالے تھے۔ وہ نہ صرف تیزی سے یونانی تہذیب و شائستگی میں ڈھلتا چلا گیا بلکہ اس نے مثالیت پسند افراد کی ایک جماعت بھی بنائی۔ جس کے ارکان حد درجے نفاست پسند' نازک مزاج اور فضول خرچ تھے۔ انتونی کے مزاج کا اندازہ لگانے کے لیے صرف اس کے باورچی خانے کی ایک جھلک کافی ہے۔ جہاں ہمہ وقت درجن اقسام کے کھانے پکتے رہتے تھے۔ ہر دو منٹ بعد نیا خوان سجایا جاتا تاکہ انتونی جس وقت کھانا طلب کرے' اسے اسی وقت چولھے سے اترنے والا کھانا فراہم کردیا جائے۔ ایک دو منٹ کی دیر سے انتونی کے نزدیک کھانا باسی ہوجاتا تھا۔

قلوپطرہ ایک طرف تو انتونی کا دل مٹھی میں لینے کے لیے

ہر جتن کر رہی تھی۔ بچکانا کھیل تماشوں سے لے کر صحرا میں شکار تک ہر سامان کر رہی تھی۔ دوسری طرف اسے فکر لاحق تھی کہ کسی طرح انتونی کو اس کے اصل کاموں کی طرف متوجہ کرے۔ وہ خیافتوں اور کھیل تماشوں میں کھو کر روم اور تارسس کو بھول ہی چکا تھا اور جو تھوڑی بہت توجہ تھی بھی تو وہ کلوپطرہ کے پیکر رعنائی کی لطافتوں نے چھین لی تھی۔ مصر کے عوام نے انتونی اور کلوپطرہ کے تعلقات کو اس طرح تسلیم کرلیا تھا جیسے سیزر اور کلوپطرہ کے بندھن کو مان لیا تھا۔

جہاں بانی کے سنجیدہ ترین کھیل میں سب سے زیادہ اہمیت وقت کی ہوتی ہے اور انتونی نے اس کو قطعی نظر انداز کر دیا تھا۔ اس نے اسکندریہ میں جو وقت گنوایا تھا' بعد میں یہی اس کی ناکامیوں کی بنیاد بن گیا تھا۔ کلوپطرہ کی کوشش کے باوجود انتونی سنجیدہ نہیں ہوا بلکہ اس نے پوری توجہ سے مصر کی فوجی و معاشی قوت کو بھی نہیں دیکھا جیسا کہ سیزر نے دیکھا تھا۔ کبھی کبھی کلوپطرہ جھلا جاتی لیکن وہ اس رومی کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ دوسری طرف انتونی بالکل مطمئن تھا کہ اس نے روم اور تارسس کے جھگڑوں سے جان بھی چھڑالی۔ کلوپطرہ کی پُرلطف صحبت کے مزے بھی اٹھالیے ساتھ ہی مصر کی معاشی و فوجی قوت کی ضمانت بھی حاصل کرلی کہ یہ بوقت ضرورت اس کے کام آئے گی۔

کلوپطرہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر روم کی باگ ڈور آکٹوین کے ہاتھ آگئی تو یہ مصر کی تباہی ثابت ہوگی۔ اس نے انتونی کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اپنا وجود' ملک اور شاہی خاندان کا وقار داؤ پر لگا دیا تھا اور عملاً انتونی کی محبوب بن گئی۔ اس کے بدلے انتونی نے اسے کیا دیا۔ مبہم وعدے اور غیر یقینی مستقبل۔ کلوپطرہ کو مصر بھی خطرے میں لگ رہا تھا کیونکہ انتونی کی بے پروائیوں نے اس کے حریفوں کو موقع دیا تھا کہ وہ اپنی طاقت بڑھائیں۔ کلوپطرہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انتونی کو کیونکر حالات کی سنگینی کا احساس دلائے۔ وہ ان دنوں اُمید سے تھی۔

روم سے آنے والی اطلاعات خاصی پریشان کن تھیں۔ انتونی کی بیوی فلویا اور بھائی نے آکٹوین کے خلاف جنگ شروع کردی تھی اور پھر اٹلی سے نکل گئے تھے۔ شام کی صورت حال کہیں زیادہ خراب تھی۔ وہ تمام افراد جنہیں انتونی نے معزول کیا تھا' اب پارس کے ساتھ مل کر شام کے صوبے پر چڑھ دوڑے تھے۔ شام میں انتونی کی فوج کم تھی اور زیادہ قابلِ اعتبار بھی نہیں تھی۔ اس کی بڑی اور آزمودہ کار فوج جن علاقوں میں تھی' اس کا وہاں رہنا بھی ضروری تھا۔

بادلِ ناخواستہ انتونی خوابِ غفلت سے بیدار ہوا اور اسکندریہ اور کلوپطرہ سے جدا ہو کر رخصت ہوا۔

کلوپطرہ کے لیے یہ نازک ترین وقت تھا۔ اس کا رفیق سفر اسے داغِ مفارقت دے کر جارہا تھا۔ وہ امید کے آخری دنوں میں تھی اور مستقبل کا کچھ پتا نہیں تھا۔ انتونی کے جانے کے کچھ عرصے بعد اکتوبر چالیس قبل مسیح میں کلوپطرہ نے جڑواں بچوں کو جنم دیا۔ ان میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکے کا نام الیگزینڈر ہیلوس (یعنی سورج) اور لڑکی کا کلوپطرہ سیلین (یعنی چاند) رکھا گیا۔ بچوں کی پیدائش کے سوا اس عرصے میں کلوپطرہ کے لیے خوشی کا کوئی لمحہ میسر نہیں تھا۔ وہ کاروبارِ مملکت چلاتی رہی اور رومی سیاست دیکھتی رہی۔ جس کی ہر خبر پہلے سے زیادہ بری اور پہلے سے زیادہ حوصلہ شکن ہوتی تھی۔

انتونی نے اسکندریہ میں مستی میں مخمور جو دن گزارے تھے' ان دنوں نے انتونی کے زوال کی بنیاد رکھ دی تھی۔ جب وہ بحیرۂ روم کے ساحلی شہر ٹائر پہنچا تو یہ اندوہناک خبر ملی کہ شام اور فونیشیا کے صوبے ایران فتح کرچکا تھا۔ وہ مایوس و نامراد اپنا بحری بیڑا لے کر یونان کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس دوران میں آکٹوین نے انتونی کے رشتے داروں اور دوستوں کو تنگ کر رکھا تھا۔ اکثر جان بچانے کے لیے اٹلی سے نکل بھاگے تھے۔ خود فلویا یونان پہنچ چکی تھی اور انتونی کی ماں جولیا پومپی کے بیٹے سکیٹس پومپیس کے پاس پناہ لے چکی تھی۔ انتونی کے اس جانی دشمن نے اس بوڑھی خاتون کو پورا احترام دیا تھا۔

اب انتونی پوری شدت سے پچھتا رہا تھا۔ ایتھنز میں اس کی ملاقات فلویا سے ہوئی تو وہ اس پر خوب گرجا برسا کہ اس نے بے وقت روم کی لڑائی چھیڑ کر اسے مشکلات کی دلدل میں پھنسا دیا۔ جواب میں فلویا نے اسے اسکندریہ کے طعنے دیے کہ اس نے وہاں رنگین خرمستیوں میں وقت ضائع کرکے خود اپنے پیر پر کلہاڑی ماری تھی۔ دونوں میاں بیوی میں خوب فساد ہوا اور فلویا نے اتنا صدمہ لیا کہ اسی سال اگست میں فوت ہوگئی۔ انتونی نے پہلے سکیٹس پومپیس سے مفاہمت کرکے اٹلی میں دست برد شروع کردی تھی اور جیسے ہی فلویا مری اس نے سارا الزام بیوی کے سر رکھ کر آکٹوین سے صلح کرلی۔ از سرِ نو معاہدہ ہوا جس کی رو سے اٹلی اور فرانس کے علاوہ یورپی مقبوضات آکٹوین کے قبضے میں اور مشرقی یورپ کے صوبے' شام اور ایشیائے کوچک پر انتونی حکمران ہوگا۔ لیپیڈس کے حصے میں افریقہ کے علاقے آئے۔ اس

معاہدے کے تحت انتونی نے آکٹوین کی بہن آکٹیویا سے شادی کرلی۔

قلوپطرہ کے لیے یہ خبر دھچکے کا باعث تھی۔ اس کے بے وفا محبوب اور نام نہاد شوہر نے جاتے ہی نئی شادی کرلی تھی۔ وہ اس کے پاس صرف روپے کے لالچ میں آیا تھا اور جب مطلب پورا ہوگیا تو مصر سے نکل گیا۔ یہ احساس اتنا دردناک تھا کہ قلوپطرہ نے انتونی سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کی قسم کھاتے ہوئے اسے مصر سے امداد بھیجنا بند کردی۔ قلوپطرہ کے لیے اپنی زندگی کا یہ تاریک دور تھا۔ اتنی مایوس تو وہ اس وقت بھی نہیں تھی جب اس کے بھائی نے اسے حکومت اور مصر سے بے دخل کرکے تاج و تخت پر قبضہ کرلیا تھا۔ اسے سیزارین کی عالمی سلطنت کی بادشاہی کا خواب پورا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔

معاہدۂ امن کے بعد انتونی نے ایتھنز کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور حکومت کرنے کے مشرقی طریقے اختیار کیے۔ صوبوں کو گورنروں کے بجائے باج گزار حکومتوں کے حوالے کردیا۔ خود بھی جنگ و جدل کے بجائے عیش و عشرت، کھانے پینے اور تعیشات میں گم ہوگیا۔ اسے بے وجہ کا تشدد سخت ناپسند تھا اور وہ حکومت میں نرمی کا قائل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے ماتحت رعایا اس سے بے حد خوش تھی۔ بہ نسبت آکٹوین کے جو سخت گیر اور ظالم ہی نہیں، سخت کینہ اور کینہ پرور قسم کا شخص تھا۔ رعایا کو دبانے کے لیے جا و بے جا تشدد روا رکھتا تھا۔ اس نے صلح کو نظرانداز کرکے سکیٹس پومپیس پر حملہ کیا اور شکست کھاکر عوام کی نظروں میں اپنے رہے سہے وقار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ دوسری طرف انتونی کے جنرل وتیرس باسس نے اہلِ پارس کو دو مرتبہ عبرت ناک شکست دی اور اس سے شام اور فونیشیا کے صوبے واپس چھین لیے۔ دوسری جنگ میں شاہ پارس کالڑکا پکورش میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ اس پر رومی عوام نے خوب جشن منایا۔ انتونی کی عظمت ان کے دلوں میں اور بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے انتونی اور وتیرس کا جشنِ فتح کا جلوس نکالا۔ آکٹوین بیٹا بے بسی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ معاہدہ امن کی معیاد ختم ہوگئی تو انتونی اور آکٹوین نے پانچ سال کے لیے مزید معاہدہ کرلیا اور اس معاہدے میں انتونی نے اپنے حلیف سکیٹس پومپیس کو قربان کردیا۔

نئی صلح کے تحت آکٹوین نے انتونی کو اکیس ہزار فوجی دیے تاکہ پارس کی فتح میں کام آئیں اور اس کے بدلے ایک سو تیس جنگی بحری جہاز حاصل کیے۔ اس کا مقصد بہرصورت سکیٹس پومپیس کو تباہ کرنا تھا۔ انتونی نے یہ کھلی بے وفائی کی تھی۔ شریف پومپی کے اس شریف بیٹے نے اس وقت انتونی اور دوسرے رومی سرداروں کی جاں بخشی کی تھی۔ جب وہ اس کے بحری جہاز پر دعوت میں مدعو تھے اور مینا س نامی بحری قزاق نے ان سب کی جان لینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اس وقت پومپیس نے دغا بازی سے انکار کردیا تھا۔ آج وہی پومپیس انتونی اور آکٹوین کے گٹھ جوڑ کی بھینٹ چڑھنے والا تھا۔

انتونی نے فوج تو حاصل کرلی تھی لیکن اس کے پاس بحری جہازوں کی کمی ہوگئی تھی اور پارس کے خلاف مہم میں ان کی اشد ضرورت تھی۔ لہٰذا اسے ایک بار پھر قلوپطرہ کی یاد آئی۔ جس کے پاس بہت بڑا اور طاقت ور بحری بیڑا تھا۔ اس نے بلا تاخیر پہلے اپنی وفاشعار بیوی آکٹیویا کو واپس روم جانے کا حکم دیا۔ یہ عورت جو صحیح معنوں میں ایک شوہر پرست خاتون تھی۔ اس نے بلا چون وچرا سے انتونی کے حکم کی تعمیل کی پھر انتونی نے اسکندریہ قلوپطرہ کو پیغام بھیجا کہ آکر مجھ سے مل لو۔ انتونی کو یقین تھا کہ ملکہ بلا تامل چلی آئے گی۔

مگر اس وقت تک پلوں کے نیچے سے بہت سارا پانی بہہ چکا تھا۔ قلوپطرہ پہلے ہی اپنی ذات اور مصر کی دولت انتونی کے حوالے کرکے دھوکا کھاچکی تھی۔ اس نے دونوں کو دل بھر کر استعمال کیا اور جب گیا تو پلٹ کر پوچھا بھی نہیں۔ حتیٰ کہ اسے اپنے جڑواں بچوں کی محبت بھی نہیں آئی مگر اس کے سامنے یہ حقیقت بھی تھی کہ وہ انتونی کی مدد کے بغیر اپنے معاملات سلجھا نہیں سکتی تھی۔ جو ایک بار پھر پہلے کا سا عروج حاصل کرچکا تھا۔ لہٰذا اس بار اس نے خوب سوچ سمجھ کر انتونی سے ملنے کا فیصلہ کیا اور ایتھنز جانے کے بجائے اسے پیغام بھیجا کہ انطاکیہ آجاؤ۔ وہیں ملاقات ہوگی۔

۳۷ قبل مسیح میں قلوپطرہ اور انتونی انطاکیہ کے مقام پر ملے تو پرانی رفاقت کی سلگتی چنگاری پھر سے آگ میں بدل گئی اور جب گلے ملے تو تمام گلے جاتے رہے۔ چند دن تو وہ چار سال کی جدائی کی کسر نکالتے رہے اور جب ذرا ہوش آیا تو معاملاتِ سیاست پر غور شروع کیا۔ اس دفعہ قلوپطرہ نے کچھ واضح شرائط انتونی کے سامنے رکھ دیں۔ اول یہ کہ انتونی اس سے شادی کرے گا چاہے اس کے لیے اسے آکٹیویا کو طلاق دینی پڑے اور وہ اس شادی کو ایوانِ روم سے منظور کرائے گا۔ دوم وہ شاہ مصر کا لقب اختیار نہیں کرے گا اور نہ ہی سپہ سالارِ اعلیٰ کہلائے گا کیونکہ یہ لقب سیزر کی نسل کے لیے مخصوص تھا اور نہ ہی وہ مصر کی اندرونی سیاست میں دخل

دے گا۔ سوم انتونی مصر کی حدود اتنی ہی وسیع کرے گا، جتنی آج سے چودہ صدیاں قبل فرعون اخناتون کے زمانے میں تھی۔

انتونی کے مشیروں نے دیکھا کہ وہ نہ صرف تمام شرائط بلاچون وچرا کیے تسلیم کررہا ہے بلکہ اس نے ملکہ سے اپنی چار سال کی غیر حاضری اور بے پروائی کی بھی خوب معذرت کی۔ اپنی شرائط کے جواب میں قلوپطرہ نے انتونی کو یقین دلایا کہ مصر کی تمام فوجی قوت اور معاشی دولت اس کے لیے وقف ہوگی۔ قلوپطرہ کی پہلی دو شرطیں انتونی نے انطاکیہ میں ہی پوری کردیں۔ اس نے قلوپطرہ کو اپنی قانونی بیوی بنالیا اور اس شادی کی یادگار میں سکے جاری کیے گئے جن پر بیک وقت ان دونوں کی شبیہ تھی۔ یہ صرف سیاسی شادی نہیں تھی بلکہ انتونی نے دل سے قلوپطرہ کو اپنی بیوی تسلیم کرلیا تھا۔ اب وہ پوری سرگرمی سے پارس کے خلاف مہم کی منصوبہ بندی کررہا تھا۔ جولیئس کے عزائم کا تسلسل تھا۔ قلوپطرہ نے زور دیا کہ فی الوقت انتونی یہ مہم ترک کردے اور پہلے اپنے مقبوضہ علاقوں میں اپنی قوت بڑھائے یا پھر مہم پر جاتے ہوئے اسے بھی ساتھ رکھے مگر انتونی نے اس کی دونوں باتیں رد کردیں اور اسے اسکندریہ روانہ کردیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ قلوپطرہ جو ایک بار پھر امید سے تھی، سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرے۔ یقیناً یہ ایک مشکل ترین مہم تھی۔

قلوپطرہ خشکی کے راستے مصر کی طرف روانہ ہوئی۔ عراق اور شام سے ہوتے ہوئے وہ فلسطین کی حدود میں داخل ہوئی۔ یہاں شاہ ہیروڈ نامی یہودی حکمران تھا (حضرت عیسیٰؑ اسی کے دور میں پیدا ہوئے تھے) قلوپطرہ نے انتونی سے شاہ ہیروڈ کو معزول کرنے کو کہا تھا مگر پھر انتونی کے سمجھانے پر اپنا ارادہ بدل دیا مگر شاہ ہیروڈ اس بات کو دل میں رکھ کر بیٹھا تھا۔ جب قلوپطرہ اس کے دارالحکومت پہنچی تو اس نے بظاہر خوش دلی سے ملکہ کا استقبال کیا مگر درپردہ اس کے خلاف قتل کے منصوبے بنانے لگا۔ اسے خوف تھا کہ انتونی اس عورت کی باتوں میں آگیا تو اس کی مملکت چھین کر مصر کے حوالے کردی جائے گی لیکن اس کے عقل مند مشیروں نے اس اقدام کے عواقب سے باخبر کرتے ہوئے اسے بمشکل باز رکھا اور جب قلوپطرہ سے مذاکرات کے نتیجے میں اسے موجودہ جریکو کا علاقہ واپس ملا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے قلوپطرہ کا قتل نہیں کرادیا۔ سینائی کے علاقے سے منسلک جریکو پر مصر نے قبضہ کرلیا تھا۔ مارے خوشی کے وہ قلوپطرہ کو پیلوشیم کے قلعے تک چھوڑنے آیا تھا۔

قلوپطرہ حمل کے آخری دنوں میں تھی اس لیے اس نے زچگی تک اسکندریہ جانے کا ارادہ ترک کیا اور قاہرہ کے محل میں مقیم ہوگئی۔ ان دنوں وہ مستقبل کے سہانے خواب دیکھا کرتی تھی کہ انتونی پارس کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا کر فاتحانہ واپس آئے گا پھر روم خود اس کے قدموں میں آپڑے گا۔ وہ مشرق و مغرب کے شاہ کا تاج پہنے گا اور قلوپطرہ ملکۂ عالم بنے گی۔ اس کا بیٹا سیزارین ولی عہد قرار پائے گا۔ ان ہی خوش آئند خوابوں میں گزرتے لمحات کے ساتھ بالآخر زچگی کا دن آیا۔ نومبر میں قلوپطرہ نے ایک لڑکے کو جنم دیا۔ جس کا نام خاندانی طور پر بطلیموس تجویز ہوا۔ ابھی قلوپطرہ پوری طرح سنبھلی بھی نہ تھی کہ قاصد شام کی طرف سے منحوس خبر لے کر آیا۔ انتونی کی پارس فتح کرنے کی کوشش بُری طرح ناکام ہوئی تھی۔ راستے کی صعوبتوں خوراک کی کمی اور خوں خوار پارسیوں نے رومی اور ان کے حلیف بادشاہوں کے لشکر تباہ کردیے تھے۔ انتونی باقی ماندہ تباہ حال لشکر کے ساتھ بہ مشکل شام تک پہنچا تھا۔ اس نے ملکہ سے فوری امداد لے کر آنے کو کہا تھا۔

آرزوئیں ایک بار پھر خاک ہوئیں مگر قلوپطرہ عام عورت نہیں تھی کہ حوصلہ ہار جاتی۔ اب انتونی اس کا حلیف ہی نہیں شوہر بھی تھا۔ وہ فوراً اسکندریہ پہنچی اور بحری بیڑا لے کر شام کا رخ کیا۔ جہاں انتونی ایک ساحلی قلعے میں اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ واضح رہے کہ انتونی نے مجموعی طور پر ایک لاکھ کی زبردست فوج کے ساتھ بیک وقت دو اطراف سے پارس پر حملہ کیا تھا۔ ایک فوج کی کمان وہ خود کررہا تھا اور دوسری فوج شاہ آرمینیا کی کمان میں تھی۔ رسد کا بڑا حصہ بھی اس کے پاس تھا۔ اس حملے نے خواب غفلت میں پڑے پارسیوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ مشرق کا شیر ایک بار پھر انگڑائی لے کر اٹھا۔ پوری سلطنت سے رضاکار جتھے دارالحکومت پہنچنے لگے اور شاہ پارس نے اپنے تمام تر وسائل دفاع کے لیے وقف کردیے۔ ایرانی فوج کے جرنیلوں نے بہترین حکمتِ عملی تیار کی۔ انہوں نے انتونی کے بجائے شاہ آرمینیا کی فوج پر حملہ کیا۔ یہ حملہ اتنا اچانک اور تباہ کن تھا کہ شاہ بمشکل اپنی جان بچا کر آرمینیا کی طرف بھاگا۔ اس کی بیشتر فوج ماری گئی اور رسد کے ذخائر ایرانیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ دوسری طرف انتونی بلا روک ٹوک میڈیا کے دارالحکومت تک جا پہنچا۔ یہ بھی ایرانیوں کی حکمتِ عملی تھی۔ وہ رومنوں سے مقابلہ کرنے کے بجائے انہیں تھکا رہے تھے۔ انہوں نے شہر کا دفاع اتنا مضبوط رکھا کہ کئی مہینوں کے محاصرے کے

باوجود شہر فتح نہ ہوسکا اور پھر دوسری فوج اور رسد کی تباہی نے انتونی کے ہوش اڑا دیے تھے۔ ان کی رسد خاتمے کے قریب تھی۔ ان حالات میں واپسی کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس نے باعزت پسپائی کے لیے شاہ پارس سے مطالبہ کیا کہ اسیر اور رومی جھنڈے دے دیے جائیں تو وہ محاصرہ اٹھا کر واپس چلا جائے گا مگر شاہ پارس بھی ایک گھاگ تھا۔ اس نے انتونی کی پیشکش مسترد کردی اور کہا کہ وہ محاصرہ اٹھالے تو اسے بہ حفاظت واپس جانے کا راستہ دینے کو تیار ہیں۔ ان حالات میں یہ پیشکش بھی غنیمت تھی۔ انتونی نے اسے منظور کرلیا اور محاصرہ اٹھا کر واپس چل پڑا مگر ایرانیوں نے بدعہدی کی اور انتونی کی فوج پر حملے شروع کردیے۔ ان کے فوجی جنگلوں اور پہاڑوں سے اچانک نکل کر شب خون مارتے اور واپس لوٹ جاتے۔ فوج جو پہلے ہی قلتِ خوراک کی شکار تھی' اب ان حملوں اور شدید سردی کے ہاتھوں مرنے لگے۔ روز سیکڑوں سپاہی مرجاتے۔ جن کی لاشیں راستے میں پڑی رہ جاتیں۔ قلتِ خوراک کے باعث لشکری گھوڑے تک کھا گئے تھے۔ اس نازک ترین مرحلے پر انتونی نے اپنے اوسان بحال رکھے۔ وہ فوجیوں کے حوصلے بڑھاتا اور ان سے کہتا کہ ہم نے ہر قیمت پر واپس جانا ہے۔ ایک مہینے کی مسافت کے بعد وہ آرمینیا میں داخل ہوئے جہاں باقی ماندہ زخم خوردہ فوج موجود تھی۔ حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ ایک لاکھ میں سے ساٹھ ہزار کام آگئے تھے اور باقی ماندہ چالیس ہزار میں سے مزید آٹھ ہزار شام تک پہنچتے پہنچتے بھوک اور موسم کی سختی کے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔

○☆○

قلوپطرہ شام پہنچی اور انتونی کو اسکندریہ لے گئی۔ فوج کو حکم ہوا کہ وہ شام کے دفاع میں لگ جائیں۔ قلوپطرہ پہلے بھی پارس کی مہم کے خلاف تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ پہلے آکٹوین کا خاتمہ اور مصر پر قبضہ ضروری ہے۔ اب بھی وہ انتونی کو یہی سمجھا رہی تھی اور بات شاید اس کے دماغ میں آبھی جاتی مگر ان ہی دنوں انتونی کا حلیف شاہ پونتس جو جنگ میں پکڑا گیا تھا غیر متوقع طور پر اسکندریہ پہنچا۔ اسے شاہ میڈیا نے صلح کے پیغام کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ اس کی شاہ پارس سے ناراضگی ہوگئی ہے اور اب اگر انتونی ہمت کرے تو وہ جنگ میں اس کا ساتھ دے گا۔ یہ پیغام پاکر انتونی اچھل پڑا تھا۔ اس کے خیال میں یہ اپنی ذلت کا بدلہ لینے کا مناسب ترین موقع تھا جو قدرت نے اسے دیا تھا۔ اس نے قلوپطرہ کی مخالفت کی پروا بھی نہیں کی۔ جو ان مشرقی فرماں رواؤں کی منافقت سے اچھی طرح واقف تھی۔

انتونی جب سننے کو تیار نہیں ہوا تو مجبوراً قلوپطرہ اس کا ساتھ دینے کو تیار ہوگئی۔ اس نے شرط لگائی کہ اس بار وہ بھی اس کے ساتھ چلے گی۔ صرف یہی ایک مثال قلوپطرہ کے خلوص کا ثبوت دینے کو کافی ہے۔ یورپی مؤرخ اس پر الزام لگاتے ہیں کہ قلوپطرہ نے ان رومی جرنیلوں کو صرف اپنی مطلب برآری کے لیے استعمال کیا تھا۔ قلوپطرہ کا مفاد تو یقیناً اس میں تھا لیکن اس پر مذکورہ بے ہودہ الزام درست نہیں ہے۔ ورنہ وہ ایک ایسی مہم پر جس کی کامیابی کے بارے میں وہ خود مشکوک تھی' انتونی کے ساتھ جانے پر کیوں اصرار کرتی۔ روایت ہے کہ قلوپطرہ سچ مچ انتونی سے محبت کرنے لگی تھی۔ سیزر سے اس کا تعلق بڑی حد تک ان کے مشترکہ عالمی منصوبوں کی وجہ سے تھا لیکن جہاں تک انتونی کا تعلق تھا تو قلوپطرہ نے اس سے محبت کی تھی اور اس بنا پر جاوبیجا اس کا ساتھ دیتی تھی۔

انتونی نے بھگوڑے شاہ آرمینیا کو اسکندریہ طلب کیا تو اس نے آنے سے صاف انکار کردیا اور کچھ ایسا تاثر دیا کہ اس پر دباؤ ڈالا گیا تو وہ شاہ پارس سے جا ملے گا۔ اس کے باوجود انتونی کے ارادے میں کوئی کمزوری نہیں آئی۔ وہ میڈیا جانے کے لیے قلوپطرہ کے ساتھ شام پہنچا کہ روم سے آکٹیویا کے آنے کی خبر ملی۔ وہ ایتھنز آرہی تھی۔ یہ غالباً آکٹوین کی شرارت تھی۔ پومپیس کو زیر کرکے اب وہ انتونی کے ساتھ چھیڑ چاہ رہا تھا اور اس کے لیے بہانے کی تلاش میں تھا۔ آکٹیویا کو بھیجنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ انتونی اس کی توہین کرے اور اسے بہانہ مل جائے۔ آکٹیویا کے ساتھ دو ہزار آزمودہ کار فوجی بھی آرہے تھے۔ یہ آکٹوین نے انتونی کے دیے گئے جنگی جہازوں کی قیمت چکانے کی کوشش کی تھی۔ انتونی نے قطعی پروا نہیں کی۔ مگر قلوپطرہ پریشان ہوگئی وہ آکٹوین کی چال بھانپ گئی تھی اور ایسے وقت جبکہ انتونی شاہ پارس جیسے طاقت ور حریف کے خلاف جنگ چھیڑ رہا تھا۔ اس کا آکٹوین سے اختلاف تباہ کن ہوسکتا تھا پھر اسے آکٹیویا سے بھی خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ پہلے بھی انتونی اس دلکش اور نو عمر لڑکی کو دیکھ کر اسے بھول گیا تھا۔ لہٰذا قلوپطرہ نے انتونی کو واپس اسکندریہ لے جانے کی کوشش شروع کردی مگر انتونی کی حالت زخمی سانپ کی سی ہو رہی تھی جو پلٹ کر دشمن پر وار کرنا چاہتا ہو۔ شام آنے کے بعد اسے شاہ آرمینیا کی طرف سے اطاعت نامہ موصول ہوا تھا اور اب انتونی کو یہ مہم اور بھی آسان لگ رہی تھی۔ قلوپطرہ نے سیاست اور خوشامد کو

کارگر نہ ہوتے دیکھ کر خالص نسوانی حربے استعمال کرنے شروع کردیے۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اکثر منہ لپیٹے پڑی رہتی اور انتونی سامنے آتا تو اسے دیکھ کر اتنا روتی کہ غش کھا جاتی' بناؤ سنگار ترک کردیا تھا۔ اس نے انتونی سے صاف کہہ دیا کہ اگر وہ مشرقی ممالک کی مہم پر گیا تو اسے پھر زندہ نہیں پائے گا۔ اس بار کا فراق اس کی جان لے لے گا۔ قلوپطرہ کی خوش قسمتی کہ انتونی کے مشیر اور بعض جنرل بھی اس مہم کی مخالفت کررہے تھے۔

ناچار انتونی کو قلوپطرہ کی تریاہٹ کے سامنے جھکنا پڑا۔ انہوں نے سرما اسکندریہ میں گزارا۔ اس دوران میں انتونی اپنے صوبوں کا انتظام کرنے میں مصروف رہا تھا۔ اس نے بظاہر قلوپطرہ کی بات مان لی تھی لیکن پارس کی مہم اس کے ذہن سے نکلی نہیں تھی۔ چونتیس قبل مسیح کے بہار میں وہ ایک بار پھر شام پہنچا اور شاہ آرمینیا کو مشورے کے لیے طلب کیا مگر اس کے دل میں چور تھا۔ اس نے آنے سے انکار کیا تو انتونی کو آرمینیا پر چڑھائی کا موقع مل گیا۔ اس نے شاہ آرمینیا کو گرفتار کرکے پورے ملک کو تباہ کرنے کا حکم دیا اور اس کی فوج نے اس حکم پر اتنی سختی سے عمل درآمد کیا کہ آرمینیا تباہی وبربادی کی تصویر بن کر رہ گیا۔ اس کے بعد شاہ میڈیا سے مذاکرات ہوئے اور معاہدہ طے پاگیا۔ صلح کے عوض شاہ میڈیا نے اپنی بیٹی کو ننھے الیگزینڈر ہیلوس سے بیاہ دیا۔

اس سال انتونی نے فتح آرمینیا کا جشن اسکندریہ میں مناکر سب کو چونکا دیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب کسی رومی جرنیل نے اپنی فتح کا جشن روم سے باہر کسی شہر میں منایا تھا۔ اب واضح ہوگیا تھا کہ انتونی اسکندریہ کو روما کا نہ سہی لیکن مشرقی مقبوضات کا دارالحکومت ضرور بنانا چاہتا تھا۔ یہ جشنِ فتح زور دار تھا کہ مدتوں اس کی گونج چہار طرف سنائی دیتی رہی۔ جلوس کے موقع پر مال غنیمت سے لدے چھکڑوں کے ساتھ ہزاروں جنگی قیدی بھی تھے۔ شاہ آرمینیا زنجیروں میں جکڑا ہوا عوام کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ جشن کے آخر میں ضیافت عام ہوئی۔ جس میں اسکندریہ کا ہر شخص شریک تھا۔ اس ضیافت کے اختتام پر انتونی نے انعامات' اعزازات اور القابات تقسیم کیے۔ قلوپطرہ کو ملکۂ عالم کا خطاب ملا۔ سیزارین کو شہنشاہ کا خطاب دیا۔ یہ لڑکا اب جوانی کی حدود میں قدم رکھ چکا تھا۔ وہ تمام مصری حکومت کا حکمران قرار پایا۔ الیگزینڈر ہیلوس کو انتونی نے آرمینیا اور میڈیا کے ساتھ پارس کی حکومت بھی دی۔ میڈیا کا شاہ پہلے ہی اپنے اس ننھے داماد کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ قلوپطرہ سیلین کو لیبیا اور شمالی افریقہ کی حکومت ملی اور بطلیموس کو شامی صوبے ملے۔

بظاہر انتونی خوش قسمتی کے جھولے میں جھول رہا تھا لیکن یہ صرف قلوپطرہ جانتی تھی کہ روم کی حکومت سے محرومی کس طرح اس کے دل کا ناسور بن گئی تھی۔ تمام دنیا کی بادشاہت مل کر بھی اس ایک محرومی کا مداوا نہیں بن سکتی تھی۔ قلوپطرہ کے نزدیک یہ زخم بر انہیں تھا۔ ایسے ہی زخم تو آدمی کو کچھ کرنے پر اکساتے ہیں۔ مسئلہ یہ تھا کہ انتونی اس غم کو عملی اقدامات کے بجائے مے ارغونی کے نشے میں ڈوب کر حل کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ قلوپطرہ اس پر کڑھتی انتونی کو سمجھانے اور اسے معاملات کو مردانہ وار طے کرنے کا مشورہ دیتی۔ مگر انتونی روز بہ روز کاہل اور زنگ خوردہ ہوتا جارہا تھا۔ اب اسے جنگ کے میدان کے بجائے محل کے خانگی ماحول میں زیادہ سکون ملتا تھا۔

مے نوشی نے انتونی کو اتنا بے خود کیا کہ وہ اپنے وقار اور رعب کو بھی فراموش کر بیٹھا تھا۔ معمولی خدمت گاروں سے بے تکلفی سے ملتا۔ عام لباس پہن کر اسکندریہ کی سڑکوں پر گھومتا۔ ہر دم قلوپطرہ کے ساتھ رہتا۔ خود قلوپطرہ پریشان ہوگئی کیونکہ اب لوگ انگشت نمائی کے ساتھ انتونی کا تمسخر بھی اڑانے لگے تھے مگر انتونی کو ہرگز پروا نہیں رہی تھی۔ قلوپطرہ چاہتی تھی کہ وہ روم کی حکومت کی بازیابی کے لیے کوشش کرے تو انتونی اس کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتا۔

تینتیس قبل مسیح میں انتونی گرمیوں میں مقبوضات کے دورے پر روانہ ہوا۔ اس نے آرمینیا کو دو حصوں میں تقسیم کرکے اسے شاہ میڈیا اور شاہ پونٹس میں بانٹ دیا۔ شاہ میڈیا نے اپنی بیٹی شہزادی آئیوپاترا کو انتونی کے سپرد کیا جو اس کے بیٹے ہیلوس کی بیوی تھی تاکہ اسکندریہ میں اس کی مناسب تعلیم و تربیت کی جاسکے۔ ساتھ ہی شاہ میڈیا نے اسے سابقہ جنگ میں چھینے رومی جھنڈوں کے ساتھ اپنا خاص تیر انداز دستہ تحفے میں دیا۔ اس کی مہارت نے رومی صفوں کو تباہ کرکے رکھ دیا تھا۔

ادھر اسکندریہ میں قلوپطرہ کو آکٹوین کی فکر لاحق تھی کیونکہ اس سال معاہدۂ امن ختم ہورہا تھا اور آکٹوین کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ انتونی کے خلاف جنگ چھیڑنے کو بے تاب ہے۔ اس نے غیظ و غضب کا ایک طوفان برپا کر رکھا تھا۔ شام سے انتونی نے اسے تلخ خط لکھا اور اس کا تلخ ترین جواب پایا مگر اس زبانی لڑائی سے قطع نظر انتونی جنگ کے لیے

اس قدر مستعد نہیں تھا۔ قلوپطرہ کی بیزاری کو محسوس کرکے انتونی نے اسکندریہ کے بجائے ایفیسس کو دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کیا تو قلوپطرہ پریشان ہوگئی۔ اس نے سابقہ دل جوئی سے کام لے کر انتونی کو اس فیصلے سے باز رکھا۔ اس نے کہا۔

"یہ وقت آپس کے اختلاف کا نہیں ہے بلکہ ہمیں آکٹوین سے مقابلے کے لیے تیار ہوجانا چاہیے۔"

یہ بات انتونی کے دل کو لگی۔ اس نے جنگ کی تیاری شروع کی۔ چاروں طرف آدمی دوڑائے کہ زیادہ سے زیادہ فوج بھیجو۔ ساتھ ہی بحری بیڑا جمع کرنا شروع کردیا۔ رسد کے بے شمار جہاز اس کے علاوہ تھے۔ قلوپطرہ نے جنگی تیاری کے لیے مصر کے خزانے کا منہ کھول دیا۔ یہ اس کی ذاتی جنگ بھی تھی۔ جس میں کامیابی سے سیزارین کے لیے عالمی حکومت کی شہنشاہی کے راستے کھل جاتے۔ مصری بیڑے میں دو سو سے زائد جہاز تھے۔ اس سے دگنے سے بھی زیادہ انتونی کے بیڑے میں شامل تھے۔ جنگ کے لیے انتونی نے ایفیسس کو اپنا مستقر بنایا تھا۔ یاد رہے کہ یہ وہی مشہور عالم شہر ہے جس میں دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک یعنی ڈائنا کا مندر تھا۔

جن علاقوں سے فوجی مدد اور رسد طلب کی گئی تھی' وہاں سے بحری جہازوں کے بیڑے چلے آرہے تھے۔ مصر سے قلوپطرہ بھی بیڑا لے کر پہنچ گئی تھی۔ وہ اپنے ساتھ زرِ کثیر بھی ساتھ لائی تھی جس کی انتونی کو اشد ضرورت تھی۔ مشرق کے باج گزار شاہ فوجیں لے کر خشکی کے راستے مسلسل آرہے تھے۔ فوجیں آکر شہر کے باہر پڑاؤ ڈال رہی تھیں۔ ساتھ ہی جنگی مشقیں بھی جاری تھیں۔ آنے والی رسد دریائی بندرگاہ کے ساتھ گوداموں میں ذخیرہ ہورہی تھی۔ جنگ کی خبر پاتے ہی بے شمار آہن گر' بڑھئی ملاح اور کاریگرا ایفیس پہنچ رہے تھے۔ جن کی جنگ میں ضرورت پڑتی ہے۔ گوشت اور اون کے تاجر اپنے جانوروں سمیت آرہے تھے۔ غلاموں کا کاروبار کرنے والے بھی آرہے تھے۔ غرض کہ ایفیس ایک پُرسکون شہر سے یکایک ہنگامہ خیز شہر میں تبدیل ہوگیا تھا۔

انتونی کی فراخ دلی اور نرمی نے اس کی ماتحت حکومتوں کو اس کا جاں نثار بنا دیا تھا۔ یہ بادشاہ جو درجنوں ممالک سے آئے تھے' اسے اپنی ذاتی جنگ سمجھ رہے تھے۔ انہیں احساس تھا کہ اگر اس جنگ میں انتونی کو شکست ہوگئی تو آکٹوین دوبارہ ان کے ممالک کو روم کے صوبوں میں تبدیل کردے گا پھر انتونی بے حد شریف اور رحم دل شخص تھا۔ اس کے مقابلے میں آکٹوین سفاک مشہور تھا۔ وہ اپنے ماتحت لوگوں کے حق میں ظالم ثابت ہوا تھا۔ انتونی نے روم کے عوام کے جذبات اپنے حق میں کرنے کے لیے اعلان کیا کہ وہ روم کو ایک ظالم حکمران کے پنجے سے نجات دلانے اور وہاں حقیقی جمہوریت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے اصل مقاصد پوشیدہ رکھے تھے۔ نیز وہ سیزارین کو سیزر کے بیٹے کی حیثیت سے اس کا حق دلانا چاہتا تھا۔

اس اعلان نے نہ صرف اٹلی بلکہ مقبوضات میں بھی ایک ہیجان برپا کردیا تھا کیونکہ نہ صرف روم بلکہ روم سے باہر بھی انتونی کے بے شمار حامی تھے اور بہت سارے ایسے تھے جو سیزر کی وجہ سے انتونی کے خیرخواہ تھے۔ اسی طرح پومپی کے ہمدرد بھی پومپیس کے انجام کی وجہ سے آکٹوین سے متنفر تھے اور دل سے اس کی بربادی کے خواہاں تھے۔ اب یہ سب انتونی کے طرف دار تھے۔ جمہوریت پسند بھی۔ اس کے حامی تھے کیونکہ اس نے شدومد سے جمہوریت کی بحالی کا اعلان کیا تھا۔ عوام کو یہ دھوکا دینا ضروری تھا۔ ورنہ وہ قلوپطرہ کی جنگ میں شرکت سے یہی خیال کرتے کہ انتونی اسے ملکۂ روم بنانے کی تیاری کررہا ہے۔

رومن لفظ بادشاہ سے اس حد تک الرجک تھے کہ نام کے بادشاہ کے مقابلے میں اپنے ان آمروں کو بخوشی برداشت کرلیتے جو بادشاہوں سے بھی زیادہ اختیارات رکھتے تھے اور ان کا اندازِ حکومت بادشاہی سے کہیں زیادہ بدتر تھا۔ یہ دراصل روم کا قومی مزاج تھا۔ وہ آکٹوین جیسے بدترین آمر کو اپنے سر پر مسلط کرسکتے تھے۔ بہ نسبت رحم دل اور فراخ دل شہنشاہ انتونی کے۔ اس اثنا میں رومی سینیٹ کے بارہ سو میں سے چار سو ارکان انتونی کے پاس چلے آئے۔ یہ سب انتونی کی حمایت کی پاداش میں روم سے نکالے گئے۔ وہ انتونی کے بحالی جمہوریت کے اعلان فریب میں آگئے اور جب انہوں نے ایفیس آکر حقیقی صورت حال کا مشاہدہ کیا تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ قلوپطرہ کی موجودگی اور جنگ میں سرگرمی سے حصہ لینے کے ارادے سے ہی کم حیران نہیں تھے کہ انتونی کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ نے انہیں مزید حیران کردیا۔ کئی ایک نے تو صاف کہہ دیا کہ اس شخص سے بحالیِ جمہوریت کی توقع ایسی ہی ہے جیسے بیل سے دودھ حاصل کرنے کی توقع۔ مگر اکثریت کو وہاں قلوپطرہ کی موجودگی پر اعتراض تھا۔ انہوں نے انتونی سے کہا کہ بہتر ہوگا قلوپطرہ اسکندریہ جائے اور وہیں بیٹھ کر جنگ کے نتیجے کا انتظار کرے۔ خود انتونی کو بھی احساس تھا کہ ملکہ کی موجودگی متعدد مسائل کا باعث بنے گی۔ لہٰذا اس نے قلوپطرہ سے کہا "بہتر

ہوگا تم واپس اسکندریہ چلی جاؤ۔"

یہ سن کر قلوپطرہ کو انتونی کی نیت پر شبہ ہونے لگا کہ اپنا مطلب نکالنے کے بعد وہ اسے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینکنا چاہتا ہے۔ اس نے جانے سے صاف انکار کردیا اور انتونی کے مشیروں کو مال و زر سے نواز کر اپنی حمایت پر آمادہ کرلیا۔ باوجود سیاسی تدبر کے محض شک کی بنیاد پر قلوپطرہ نے غلط فیصلہ کیا تھا۔ انتونی کے مشیروں نے اسے سمجھایا کہ کیمپ میں ملکہ کی موجودگی ضروری ہے۔ اس کی موجودگی میں مصری دستے اور بحری بیڑا جان لڑا دے گا پھر ملکہ ہی ان کا مالی سہارا ہے، جس کی اس جنگ میں اشد ضرورت ہے۔ انتونی رضامند تو ہوا لیکن قلوپطرہ اور اس کے تعلقات میں سرد مہری آگئی تھی کیونکہ انتونی کے خیال میں ملکہ اس کے سر پر مسلط رہنے کے لیے سیاسی مصلحت کو نظرانداز کررہی ہے اور قلوپطرہ کے خیال میں انتونی ایک بار پھر اسے دھوکا دینے کی فکر میں ہے۔ اس نے انتونی کی کہاں کہاں مدد نہیں کی۔ پہلے پارس کی ناکام مہم کے بعد اور اب جبکہ اسے آکٹوین جیسے طاقت ور حریف سے سامنا تھا۔ انتونی کو مصر کا بحری بیڑا ہی نہیں بلکہ خزانہ بھی دے دیا اور اب وہ مفاد پرست افراد کی باتوں میں آکر اسے واپس اسکندریہ بھیجنا چاہتا تھا۔ ابھی یہ تازیانہ کم نہیں تھا کہ اسے اطلاع ملی۔ انتونی آکٹوین سے صلح کرنے کی فکر میں ہے۔ یہ سن کر اس کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔ اگر انتونی اور آکٹوین کی صلح ہوجاتی تو قلوپطرہ تو ماری ہی جاتی۔ اس کے لیے بے حد ضروری تھا کہ کسی صورت اس صلح کو ناکام بنادے۔

قلوپطرہ ان عورتوں میں سے تھی جو کسی ارادے کو باندھ لیں تو پھر اس کی تکمیل کی راہ نکال ہی لیتی ہیں۔ لہٰذا اس نے انتونی سے کہا کہ کب تک آکٹیویا بے چاری کو اپنے ساتھ باندھے رہو گے اسے طلاق دے کر فارغ کرو۔ یہ بات رومی سینیٹ کے ارکان تک پہنچی تو انہوں نے آکٹیویا کے حق میں مہم شروع کردی۔ اب انتونی صحیح معنوں میں کشمکش میں پھنس گیا تھا۔ اپنی حمایت حاصل کرنے کے لیے قلوپطرہ نے دولت کے دریا بہا دیے۔ دونوں طرف کی چخ چخ سے تنگ آکر ایفیسس سے جزیرہ ساموس کی طرف کوچ کیا۔ یہاں انتونی نے تین ہفتے نہایت عیش و عشرت میں بسر کرکے اپنی تھکن دور کی۔ وہ موسیقی اور شراب کے نشے میں مست رہنے لگا۔ قلوپطرہ اس کی اس روش پر کڑھتی رہتی تھی۔

اب قلوپطرہ اور انتونی کے درمیان جاری کشمکش فیصلہ کن مرحلے میں جا پہنچی تھی۔ قلوپطرہ نے فیصلہ کرلیا تھا کہ آکٹیویا کو طلاق دلوا کر ہی دم لے گی۔ اس کے بعد جنگ ناگزیر ہوجاتی اور انتونی تذبذب میں تھا۔ اس نے قلوپطرہ سے وعدہ کیا تھا کہ روم فتح کرکے وہاں سیزارین کو تخت شاہی پر بٹھائے گا۔ اس کے برعکس اس کے ہم وطن اس سے توقع کررہے تھے کہ وہ آکٹوین کو شکست دے کر جمہوریت کا احیا کرے گا۔ یہ کوئی مشکل مرحلہ نہیں تھا لیکن عمر کی زیادتی، شراب نوشی کے مرض اور سب سے بڑھ کر انتونی کی کمزور قوتِ ارادی نے اس آسان فیصلے کو مشکل بنا دیا تھا۔ جمہوریت اور بادشاہی کے معاملات بعد میں دیکھے جاسکتے تھے۔ اس سے پہلے جلد از جلد آکٹوین کا خاتمہ ضروری تھا۔ انتونی جنگ میں جتنی تاخیر کرتا، اس کا فائدہ آکٹوین کو ہوتا۔

سیاست کے مسائل ہی کچھ کم نہ تھے کہ انتونی کا سب سے بڑا لڑکا انتیلس جو فلویا سے تھا، ایتھنز آگیا۔ انتونی اپنے تمام لشکر کے ساتھ یہیں مقیم تھا۔ انتونی اس بیٹے سے بے حد محبت کرتا تھا۔ وہ کچھ عرصہ روم میں گزار کر آیا تھا اور آکٹیویا کا بے حد معترف تھا۔ ساتھ ہی یہ سیزارین سے خار کھاتا تھا کیونکہ وہ مصر کا ہونے والا بادشاہ تھا۔ اس کی باتوں سے قلوپطرہ کچھ اس طرح بھڑکی کہ انتونی کے پیچھے پڑ کر اس نے آکٹیویا کے خلاف قدم اٹھوا دیا۔ انتونی نے اپنی وفاشعار بیوی کو روم میں اپنے گھر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اسے معلوم تھا کہ رومی اس حرکت پر اس سے برگشتہ ہوں گے لہٰذا اس نے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ جلد روم میں حقیقی جمہوریت قائم کردوں گا۔

تاریخ کے فیصلہ کن لمحات میں تذبذب سے زیادہ تباہ کن چیز اور کوئی نہیں ہوتی۔ عظیم ترین فاتحین صرف چند لمحوں کی وجہ سے ایسے شکست خوردہ ہوئے کہ عبرت کی مثال بن گئے۔ انتونی کے لشکر میں بھی بددلی پھیلنا شروع ہوگئی تھی اور اس کے کئی سرکردہ افراد خاموشی سے فرار ہوکر آکٹوین سے جا ملے تھے۔ ان میں ٹائی ٹس جو پومپیس کی گرفتاری اور قتل میں ملوث تھا اور دوسرا قلوپطرہ کا غلام پلینکس۔ ان دونوں نے روم جاکر انتونی اور قلوپطرہ کے بارے میں نمک مرچ لگا کر ایسی داستانیں بیان کرنا شروع کیں کہ آکٹوین کا دل خوش ہوگیا۔ کون سا ایسا بے ہودہ اور بدترین الزام تھا جو انہوں نے انتونی اور ملکہ پر نہیں لگایا۔ اس پر یقین کرنے والے تھوڑے ہی تھے لیکن آکٹوین کو پروپیگنڈے کے لیے بہترین مواد میسر آگیا تھا۔ اس کے حواریوں نے یہ کہانی پھیلانا شروع کردی کہ انتونی پر قلوپطرہ نے سحر کردیا ہے اور اب وہ اس کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ نیز انتونی نے تہیہ کر

رکھا ہے کہ روم کی جمہوریت کا خاتمہ کرکے وہاں قلوپطرہ کو ملکہ بنائے گا۔ روم پر مصری مذہب غالب کردے گا اور وہاں ایوان پر مصری پرچم لہرائے گا۔

انتونی نے دو حکمت عملیاں اپنائیں۔ ایک پروپیگنڈے کے محاذ پر آکٹوین کو منہ توڑ جواب دیا جائے۔ دوسرے خود حملہ کرنے کے بجائے آکٹوین کو حملے پر اکسایا جائے تاکہ جب اس کی فوج ایک طویل فاصلہ طے کرکے یہاں آئے تو تھکی ماندی ہو۔ نیز اس کے رسد کے راستے بند کیے جاسکیں جبکہ انتونی کی سپاہ قطعی تازہ دم ہوگی اور اس کی پشت پر رسد کے راستے بھی محفوظ ہوں گے۔ انتونی کے اپنے محفوظ دستے شام، مصر اور ایشیائے کوچک میں تعینات تھے۔ یونان میں اس کے پاس ایک لاکھ پیدل اور بارہ ہزار سوار تھے۔ اس کے مقابلے میں آکٹوین بانوے ہزار کی جمعیت لا رہا تھا۔ انتونی کی بحری قوت بھی اس کے مقابلے میں کہیں مضبوط تھی۔

سرما کی آمد کے ساتھ انتونی نے کورنتھ کی خلیج میں واقع پاڑے نامی شہر کو کیمپ بنایا۔ اس نے اپنا بحری بیڑا خلیج کی محفوظ کھاڑیوں میں بکھیر دیا تھا کیونکہ سرما میں بحیرۂ روم مسلسل طوفانوں کی زد میں رہتا ہے۔ کورنتھ کی خلیج کے ایک طرف یونانی ریاستیں تھیں اور دوسری طرف اٹلی کا طویل ساحل درمیان میں سو سے دو سو میل چوڑا سمندر حائل تھا۔ اس دوران میں اٹلی میں زبردست قحط پڑا۔ اٹلی کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن اس دفعہ مشرقی ممالک سے اناج آنے والے راستے پر انتونی قابض تھا اور مغربی یورپ میں رومی تباہ کاریوں نے لوگوں کو اس قابل ہی نہیں چھوڑا تھا کہ وہ اپنے لیے بھی غلہ اگا سکتے۔ آکٹوین کو خطرہ ہوا کہ قحط سے اس کی فوج میں بغاوت نہ پھیل جائے۔ لہٰذا اس نے پہل کی اور چپکے سے ایک چھوٹا لشکر بھیج کر جنوبی یونان پر قبضہ کرلیا اور جب انتونی اس طرف متوجہ ہوا تو خاموشی سے اپنی ساری فوج خلیج کے پار کورفو کے مقام پر اتار دی اور پھر ساحل کے ساتھ گزرتا خلیج امبریشیا میں جاگزیں ہوا۔ یہاں سے انتونی کا طوفانوں کا مارا بیڑا براہِ راست اس کی زد میں تھا۔ یہ دیکھ کر انتونی واپس پلٹا اور خلیج امبریشیا کے دہانے پر واقع ایکشم جا پہنچا۔ اس نے فوراً اپنے جہازوں کو جنگی ترتیب دے لی تھی اور جن جہازوں پر افرادی قوت کم تھی، وہاں مزید ملاح بھیج دیے۔ اس اثنا میں قلوپطرہ بھی یونان سے تازہ رسد لے کر آگئی۔ اب طبلِ جنگ بجنے میں کچھ ہی دیر تھی۔

○☆○

اگر انتونی سیزر جیسے جنرل کا دوست اور ساتھی تھا تو آکٹوین بھی اس کا پروردہ تھا۔ دونوں جنگی چالوں کے ماہر تھے۔ آکٹوین نے ساحل کو غیر محفوظ سمجھ کر خلیج کے دہانے سے اپنی فوج ذرا پیچھے کرلی۔ اسی اثنا میں انتونی اپنا لشکر اس کے اطراف میں پھیلا رہا تھا۔ مکار آکٹوین نے اسے بھانپتے ہوئے بحیرۂ آیونین تک مٹی کے پشتے بنوا کر ان پر تیرانداز بٹھا دیے تاکہ اٹلی سے رسد کے راستے محفوظ رہیں۔ نیز اس کے بحری بیڑے نے خلیج کے دہانے پر قبضہ جمالیا تھا۔ اب انتونی کے لیے اس چوہے دان سے نقصان اٹھائے بغیر نکلنا ممکن نہیں رہا تھا تو دوسری طرف آکٹوین کی فوج بھی اس کے گھیرے میں تھی۔

اب صورت یہ تھی کہ دونوں حریفوں نے ایک دوسرے کی گردن پکڑ رکھی تھی۔ انتونی اگر آکٹوین پر فیصلہ کن ضرب لگانا چاہتا تو اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کا بحری بیڑا دشمن کا گھیرا توڑ دے۔ ایک تجویز یہ تھی کہ پشتوں کا محاصرہ پیچھے کرکے دشمن کو کھلے میدان میں آنے کا موقع دیا جائے۔ مگر قلوپطرہ نے اس تجویز کی مخالفت کی کیونکہ مشرقی ممالک کے فوجی پیچھے ہٹنے کو کمزوری خیال کرتے۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ پوری قوت سے حملہ کرکے دشمن کی بحری ناکابندی کو توڑ دیا جائے اور خلیج سے باہر نکل کر الناد شمن کے بیڑے کو گھیرے میں لے لیا جائے۔ یہ تجویز یقیناً سود مند ثابت ہوتی مگر انتونی کے تجربے کار جرنیل ڈومیش نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ تذبذب اور کشمکش میں وقت گزر رہا تھا۔ اس سے انتونی کے بھان متی کے کنبے نما لشکر میں بددلی پھیل رہی تھی پھر بے درپے واقعات ہوئے جن سے یہ بددلی سوا ہوگئی۔ آکٹوین کی فوج نے انتونی کے چند سوار پکڑ لیے اور خلیج کے باہر گشت کرنے والے کچھ جہازوں پر قبضہ کرلیا۔ یہ کامیابیاں اتنی بڑی نہیں تھیں جتنا کہ آکٹوین نے ان کا ڈھنڈورا پیٹا۔

دیوی دیوتاؤں کے چکر میں پھنسے انتونی کے فوجی بے حد وہم پرست تھے اور ذرا ذرا سی باتوں سے شگون نکالتے۔ ان ہی دنوں ایتھنز میں زبردست آندھی سے بیکس دیوتا کا بت گر گیا۔ انتونی اس دیوتا کا اوتار ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ کچھ عرصے پہلے پاڑے میں..... ہرقل کے مندر پر بجلی گری تھی پھر خبر آئی کہ انتونی نے اٹلی میں پسارم نامی جو قصبہ بسایا تھا، وہ زلزلے سے زمین میں دھنس گیا تھا۔ ان بدشگونیوں سے قلوپطرہ بھی وحشت زدہ تھی۔ اسے آثار اچھے نظر نہیں آرہے تھے۔ انتونی اور اس کے رفقا کے اختلافات جنگ کو بے سبب طول دے رہے تھے۔

اگر انتونی سیزر جیسے جنرل کا دوست اور ساتھی تھا تو

یورپ میں یہ سال بے حد گرم تھا۔ اگست میں لشکری گرمی کی شدت سے ہی کم پریشان نہیں تھے کہ ملیریا کی وبا پھیل گئی۔ انتونی کے رفقا اسے کیمپ پیچھے ہٹانے کو کہہ رہے تھے اور قلوپطرہ ابھی بھی سمندری گھیرا توڑنے کے حق میں تھی۔ اس میں خطرہ ضرور تھا لیکن میدانِ جنگ میں خطرہ مول لیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ درحقیقت انتونی کی بحری قوت اتنی زیادہ تھی کہ وہ غیر معمولی نقصان اٹھا کر بھی آکٹوین کے پورے بیڑے کو غرقِ آب کرسکتے تھے۔ اس کے بعد انتونی دشمن کو اس طرح محاصرے میں چھوڑ کر محض چند ہزار فوجیوں کی مدد سے بھی روم فتح کرسکتا تھا جو ان دنوں بالکل خالی تھا۔

مگر فوج میں شامل جمہوریت پسندوں نے ایک بار پھر انتونی کو اکسایا کہ ملکہ کو واپس بھیج دیا جائے۔ وہ چلی جائے گی تو سب ہی دل و جان سے انتونی کے حامی ہوجائیں گے اور یہ فتح اس کے لیے آسان ہوجائے گی۔ حد یہ کہ قلوپطرہ کے زبردست حامی کینڈلس نے بھی یہی رائے دی تو انتونی نے مجبوراً ملکہ کو واپس اسکندریہ جانے کا مشورہ دیا۔ اس پر قلوپطرہ چراغ پا ہوگئی۔ اسے یقین ہونے لگا کہ انتونی کی نیت خراب ہے۔ وہ فتح کے بعد اپنے وعدے پورے کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اب تو اسے یہ فتح بھی مشکوک لگ رہی تھی۔ اسے صاف نظر آرہا تھا کہ اس کے واپس جاتے ہی رومی بدمعاش اس بدمست شخص کی عقل پر قابض ہوجائیں گے اور پھر جیسا یہ چاہیں گے ویسا ہی ہوگا۔ وہ روم میں جمہوریت قائم کرنے کا وعدہ کرے گا۔ کیا شاہی خاندان اور کہاں کا شاہی خاندان۔ وہ سب بھول جائے گا۔ عین ممکن ہے اسے طلاق ہی ارسال کردے۔ اس سے جو کام نکالنا تھا، وہ پہلے ہی نکال چکا تھا لہٰذا اس نے جانے سے انکار کردیا۔ مجبوراً انتونی اس کے سامنے بے بس تھا اور یہ دیکھ کر غیرت مند رومنوں کا خون کھول رہا تھا۔ انہیں انتونی کا ایک عورت کے اشاروں پر ناچنا سخت ناگوار گزر رہا تھا۔

اس پر قلوپطرہ کے سب سے بڑے مخالف ڈومیش کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ وہ چپکے سے کشتی لے کر نکلا اور آکٹوین سے جا ملا۔ افسوس کہ اسے بعد میں شریکِ جنگ ہونے کا موقع نہیں ملا کیونکہ وہ کچھ دنوں بعد ملیریا میں مبتلا ہوکر راہی ملکِ عدم ہوگیا۔ ڈومیش کی غداری سے ملکہ اور انتونی کے اختلافات کھل کر سامنے آگئے۔ انتونی نے ملکہ پر الزام لگایا کہ اس کی وجہ سے اس کے ساتھی غداری پر آمادہ تھے۔ ملکہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور خوب جھگڑا ہوا۔ قلوپطرہ نے اسے اپنے احسانات یاد دلائے۔ جب وہ رومنوں کی وجہ سے ذلیل و خوار ہوا تھا۔ قلوپطرہ نے اسے طعنہ دیا۔

"اب تمہیں یہ چار سو رومی زیادہ عزیز ہیں۔ تو ایسے ہی سہی۔ میرے ساتھ تم پہلے بھی بے وفائی کرچکے ہو۔"

اس الزام سے انتونی کو صدمہ ہوا تھا مگر قلوپطرہ بھی غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ اس جھگڑے کے نتیجے میں اب روز ہی کوئی نہ کوئی اہم شخص فرار ہوکر آکٹوین کے پاس جانے لگا۔ اس سے آکٹوین کی فوج کا حوصلہ بلند ہوا اور وہ اس حد تک دیدہ دلیر ہوگئے کہ ایک رات خاموشی سے انتونی کے پڑاؤ تک آئے اور جب انتونی فوج کے معائنے سے واپس آرہا تھا تو حملہ کرکے اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ خوش قسمتی سے اس کا ساتھی افسر اس کے دھوکے میں پکڑا گیا اور انتونی بچ کر اپنے خیمے تک آگیا تھا۔ ظاہر ہے انتونی کے اس معمول کی خبر کسی بھگوڑے نے آکٹوین تک پہنچائی تھی۔

ملکہ اور انتونی کے درمیان اختلافات اس حد تک بڑھے کہ انتونی کو شبہ ہونے لگا کہ قلوپطرہ اسے قتل کرنے کی فکر میں ہے۔ اس نے کسی محفل میں اپنا شبہ ظاہر کیا اور بات قلوپطرہ تک پہنچ گئی۔ اس نے اپنے نادان شوہر کو ایک عملی سبق دینے کا فیصلہ کیا اور ایک رات جب انتونی حسبِ معمول شراب کے خم کے خم خالی کررہا تھا تو قلوپطرہ نے ناز و انداز کے ساتھ ایک جام سے چند گھونٹ لے کر بقیہ جام انتونی کی طرف بڑھا دیا اور اس سے پہلے کہ انتونی جام پیتا، اس نے اپنے جوڑے میں بندھا چنبیلی کا ہار نکال کر ادائے محبوبی سے جام میں ڈبو کر نکال لیا۔ انتونی نے جام ابھی لبوں سے لگایا ہی تھا کہ قلوپطرہ نے لپک کر جام اس سے چھین لیا "ٹھہرو، جانِ قلوپطرہ، جام زہریلا ہے۔"

انتونی حیران رہ گیا "مگر کیسے۔ ابھی تو تم نے اس جام سے چند گھونٹ لیے ہیں۔"

"زہر شراب میں نہیں۔ میرے چنبیلی کے ہار میں تھا جسے میں نے تمہارے جام میں ڈبو دیا تھا۔"

انتونی کا نشہ ہرن ہوگیا۔ قلوپطرہ اسے صرف یہ جتانا چاہتی تھی کہ انتونی کی جان لینا اس کا مقصد ہوتا تو یہ کام اتنا ہی آسان تھا۔ انتونی، ملکہ کی وفاشعاری کا قائل ہوگیا لیکن وہ ابھی بھی اسے واپس اسکندریہ بھیجنے پر بضد تھا۔ اس پر قلوپطرہ نے بہ حسرت و یاس اس کی بات مان لی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ملکہ کے ساتھ دشمن کے بحری بیڑے پر حملہ کرکے اسے تباہ کردیا جائے۔ اسی اثنا میں انتونی کی افواج خشکی پر بھی جنگ چھیڑ دیں گی۔ جیسے ہی انتونی کی فتح مکمل ہوگی، قلوپطرہ باقی ماندہ بیڑا

لے کر اسکندریہ روانہ ہوجائے گی اور انتونی روم چلا جائے گا۔ آئندہ کی آئندہ دیکھی جائے گی۔ حملے کی تفصیلات طے ہوتے ہی انتونی نے ۲۹ اگست کے دن بحری حملے کا اعلان کیا۔

کل ساڑھے تین سو میں سے ساٹھ اعلیٰ درجے کے جنگی جہاز تھے۔ انہیں آپ آج کل کے کروزشپ کے برابر سمجھ لیں مگر کھلے سمندر تک جانے کے لیے جہازوں کے بڑے بادبان کھولنا ضروری تھا۔ جس سے دشمن چوکنا ہوجاتا۔ اسی اثنا میں قلوپطرہ رازداری سے اپنا خزانہ اپنے خاص بحری جہاز پر منتقل کرا رہی تھی۔ اس کے بعد بڑے بحری جہازوں پر بائیس ہزار تربیت یافتہ لڑاکے منتقل ہوئے۔ سارا منصوبہ ایسے زور و شور سے شروع ہوا کہ فتح یقینی نظر آنے لگی۔ آخر ۲۹ اگست کا دن طلوع ہوا اور ساتھ ہی طوفان بھی آگیا۔ سمندر میں بھونچال آیا ہوا تھا۔ لڑنا تو ایک طرف رہا۔ جہاز رانی بھی ممکن نہیں تھی۔ لہٰذا کارروائی طوفان کے ٹل جانے تک کے لیے ملتوی کردی گئی۔ یہ کچھ دن بے حد صبر آزما تھے اور انتونی کے دو مشہور جرنیلوں ڈیلیس اور اسلیتس کے اعصاب جواب دے گئے۔ وہ بھاگ کر آکٹوین سے جا ملے۔ یہ ناقابلِ برداشت نقصان تھا۔ ان دونوں جرنیلوں کو انتونی کے پورے جنگی منصوبے کا علم تھا۔ آکٹوین نے منصوبے کی تفصیلات معلوم کرتے ہی اپنی بہترین فوج جہازوں تک پہنچا دی جو انتونی کے جنگی جہازوں سے چھوٹے لیکن زیادہ سریع الحرکت تھے۔ آکٹوین نے تنگ آبنائے کے بجائے کھلے سمندر میں نکل کر انتونی کے بیڑے کا مقابلہ کرنا مناسب سمجھا۔ یوں انتونی کی یہ چال ابتدا ہی میں ناکام ہوگئی کہ وہ دشمن بیڑے کو بھی محاصرے میں لے لے گا مگر اس سے اسے کھلے سمندر میں صف بندی کا موقع ضرور مل گیا۔

کیونکہ آکٹوین نے اپنا بیڑا تین حصوں میں تقسیم کرلیا تھا لہٰذا انتونی نے بھی ایسا ہی کیا۔ قلوپطرہ کا مصری بیڑا انتونی والے حصے کے عقب میں دفاعی پوزیشن میں آگیا۔ انتونی نے قلوپطرہ سے صاف کہہ دیا کہ اس کے جہاز لڑائی میں حصہ لینے سے زیادہ اسکندریہ جانے کی فکر کریں۔ بوقتِ رخصتی قلوپطرہ نے رنجش دل کا غبار نکالا اور انتونی جی بھر کے برا بھلا کہا۔ انتونی نے بھی جوابی کارروائی کی اور دونوں سخت طیش کے عالم میں اپنے اپنے جہازوں پر سوار ہوگئے۔ بعد میں انتونی کو اس اندازِ جدائی کا سخت صدمہ ہوا۔

لڑائی کا آغاز دو حریف پہلوانوں کے انداز میں ہوا۔ جو حملے سے زیادہ حریف کے ارادوں کو بھانپنے میں لگے رہے۔ انتونی اپنے دیو قامت جہازوں کو حرکت میں لایا۔ وہ جھومتے ہوئے آگے بڑھے تو آکٹوین کے ہلکے پھلکے جہازوں نے کتی کترا کر انہیں گھیر لیا جلد ہی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ ہر جہاز انفرادی طور پر لڑنے لگا۔ آکٹوین کے جہاز تیر، نیزے اور آتش گیر مادے کی پچکاریاں مار رہے تھے تو انتونی کے جہاز ان پر منجنیقوں سے پتھر برسا رہے تھے۔ ایک ہنگامۂ کارزار تھا جو سینۂ سمندر پر برپا تھا۔ ہتھیاروں کی جھنکار، منجنیق باری کی خوفناک تڑ تڑاہٹ، مرنے اور زخمی ہونے والے ملاحوں اور لڑاکوں کی چیخ و پکار۔

چار پانچ گھنٹوں بعد انتونی پر یہ ہولناک انکشاف ہوا کہ جنگ میں آکٹوین کے ہلکے پھلکے جہازوں کا پلہ بھاری تھا۔ وہ تیز رفتاری سے نزدیک آکر حملہ کرتے اور انتونی کے ست جہازوں کی جوابی کارروائی سے پہلے ان کی زد سے نکل جاتے ہر تھوڑی دیر بعد انتونی کا کوئی نہ کوئی جہاز زیرِ آب سفر پر روانہ ہوجاتا۔ خود انتونی کا پرچم بردار جہاز بری طرح دشمن کے نرغے میں تھا۔ قلوپطرہ کے بیڑے کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ وہ ابھی تک مدافعتی جنگ لڑ رہا تھا اور خود کو بچانے کی کوشش کررہا تھا۔ مصری، رومنوں کے سے مشاق ملاح اور لڑاکا تو نہیں تھے لیکن اس وقت ملکہ کی حفاظت کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑ رہے تھے اور انہوں نے نقصان اٹھانے کے ساتھ آکٹوین کے بیڑے کو بھی خاصا نقصان پہنچایا تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ کسی دشمن جہاز کو ملکہ کے پرچم بردار جہاز کے قریب نہ پھٹکنے دیں۔ قلوپطرہ سخت مضطرب تھی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ انتونی بری طرح دشمنوں کے گھیرے میں تھا۔ اس کا مارا جانا یا گرفتار ہونا عین ممکن تھا۔

"یہ وقتِ رخصتی ہے۔" ملکہ نے خود سے کہا۔ شاید قدرت کو بھی یہ منظور تھا کہ ہوا شمال سے جنوب کو چلنے لگی۔ دل شکستہ قلوپطرہ نے جہازوں کو روانگی کا اشارہ کیا اور مصری جہاز ایک ایک کرکے میدانِ جنگ سے نکلنے لگے۔ تمام ہی جہازوں کو جنگ میں شدید نقصان ہوا تھا۔ اس اثنا میں انتونی کا جہاز لڑ بھڑ کر دشمنوں کے گھیرے سے نکل آیا اور انتونی نے دیکھ لیا کہ قلوپطرہ اسکندریہ کی راہ پکڑ رہی ہے۔ اپنی دلکشی و دلنوازی بیوی اور بیوی سے زیادہ محبوبہ کو یوں لرزاں و ہراساں جاتے دیکھ کر انتونی کے دل و دماغ پر عجیب اثر ہوا۔ اس عورت نے کہاں کہاں اور کس کس موقع پر اس کا ساتھ نہیں دیا اور جواب میں اس نے اسے کیا دیا۔ ذلت و رسوائی، زمانے بھر کے طعنے، وہ اس کے لیے ایک فتح بھی حاصل نہیں کرسکا تھا۔ اس جذباتی کیفیت میں انتونی نے وہ حرکت کی جس کی اس جیسے جنرل سے توقع کرنا محال ہے۔ وہ اپنے بیڑے کو

زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا چھوڑ کر ملکہ کے پیچھے چل پڑا۔ قلوپطرہ نے اس دیوانے اور کم ہمت شخص کو اپنے پیچھے آتے دیکھا تو اسے دھتکارنے کی ہمت نہ کرسکی۔ اس نے جہاز رکوا کر انتونی کو اپنے جہاز پر آنے کا موقع دیا لیکن ساتھ ہی خود کو اپنی خواب گاہ میں بند کرلیا۔ مایوس اور تھکا ہوا انتونی دل شکستگی کے عالم میں جہاز کے عرشے پر منہ چھپا کر بیٹھ گیا۔ پانچ چھ گھنٹے بعد اسے عقب سے فاتحانہ نعروں کی گونج سنائی دی۔ دشمن اب ان کا تعاقب کررہا تھا۔

انتونی بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا اور چلا کر بولا "کون ہے جس نے انتونی کے پیچھے آنے کی ہمت کی۔"

جواب میں کوئی پردہ تاریکی کے دوسری طرف سے بولا۔ "میں ہوں یورکلیز، لیکاویز کا بیٹا۔ میں اپنے باپ کا انتقام لینے آیا ہوں۔"

لیکاویز ایک رومی سردار تھا۔ جسے قزاقی کا پیشہ اختیار کرنے کے جرم میں انتونی نے قتل کردیا تھا۔ اس کا بیٹا جوان ہوکر اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے آکٹوین سے مل گیا تھا اور اب انتونی کے پیچھے چلا آیا تھا مگر قسمت انتونی اور قلوپطرہ پر مہربان تھی کہ یورکلیز کا جہاز ایک مصری جہاز سے ٹکرا گیا۔ یوں قلوپطرہ کے جہاز کو بچ نکلنے کا موقع مل گیا اور بدقسمتی سے وہ جہاز جس سے یورکلیز کا جہاز ٹکرایا تھا۔ وہ ملکہ کا خزانے والا جہاز تھا۔ یورکلیز اس پر قابض ہوگیا۔

انتونی اتنا پریشان اور خستہ حال تھا کہ ملکہ کے پاس جانے کی جرأت بھی نہ کرسکا۔ تین دن تک ایک ہی جگہ بھوکا پیاسا بیٹھا رہا۔ آخر ملکہ کے مشیروں کو اس پر ترس آگیا اور انہوں نے بڑی مشکل سے قلوپطرہ کو انتونی سے ملنے اور اس کی دلجوئی کرنے پر آمادہ کیا۔ خود قلوپطرہ آخر عورت تھی پھر انتونی اس کا شوہر بھی تھا۔ اسے رحم کیوں نہ آتا۔ اس نے انتونی کو خواب گاہ میں آنے کی اجازت دے دی۔ اس دن وہ جنوبی یونان کی بندرگاہ مینارس تک پہنچے اور قیام کیا۔ کچھ دن بعد معرکہ ایکٹیم سے بچ جانے والے جہاز آنا شروع ہوگئے۔ بحری بیڑا بالکل تباہ ہوگیا تھا۔ پانچ ہزار لڑاکے اور ملاح مارے گئے اور بچ جانے والے آکٹوین کی قید میں چلے گئے۔ بچ آنے والوں نے اطلاع دی کہ خشکی پر موجود افواج نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ ملکہ کے مشورے پر انتونی نے بچ جانے والوں کو شام اور ایشیائے کوچک آنے کا حکم بھیجا اور ساتھ ہی فراغ دلی سے مال و زر بھی تقسیم کیا تاکہ اس کی فوج کو مالی مشکلات نہ ہوں۔

یونان سے چل کر مصر کے بحری جہاز مصر کی مغربی بندرگاہ پیراٹونیم میں ٹھہرے۔ دل شکستہ انتونی یہیں اتر گیا اور قلوپطرہ نے اسکندریہ کی راہ لی۔ اس اجاڑ و ویران جگہ نے انتونی کی مایوسی میں مزید اضافہ کیا تھا۔ اس اثنا میں معرکہ ایکٹیم کی تفصیلات وقفے وقفے سے اسے ملتی رہیں۔ اس کے فرار کے بعد بھی بحری بیڑے نے جنگ جاری رکھی اور رات ہوتے ہی خلیج میں پناہ گزین ہوگئے۔ خشکی پر موجود دستوں نے آکٹوین کی ہتھیار ڈالنے کی پیشکش ٹھکرا دی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ انتونی قلوپطرہ کے ساتھ جاچکا ہے اور جب اگلی صبح یہ دل فگار انکشاف ہوا تو سب سے پہلے مشرقی ممالک کے بادشاہ افراتفری میں اپنی فوجیں لے کر واپس بھاگ گئے۔ پھر کچھ فوج مقدونیہ چلی گئی اور باقی نے ہتھیار ڈال دیے۔ آکٹوین پورے یونان پر قابض ہوا اور نہایت سفاکی سے انتونی کے طرف داروں کا صفایا شروع کردیا۔ اس کے چند دن بعد شمالی افریقہ میں مقیم انتونی کی افواج آکٹوین سے جاملیں۔ اس خبر نے انتونی کو اتنا مایوس کردیا کہ وہ خودکشی پر تُل گیا مگر اس کے جاں نثاروں نے بمشکل اسے باز رکھا۔

○☆○

قلوپطرہ، انتونی سے محبت کرتی تھی اور شاید یہی وہ واحد شخص تھا جس کے لیے قلوپطرہ کے دردل وا ہوئے مگر اب انتونی اس کے لیے ایک سیاسی بوجھ تھا۔ مصائب کے سمندر میں ہاتھ پاؤں مارتی قلوپطرہ کے لیے ایک ایسی لاش جس کو سنبھالنے سے وہ خود بھی ڈوب جاتی۔ اب اس سے چھٹکارا حاصل کرکے ہی ملکہ اپنی بدقسمتی کے بار کو کچھ ہلکا کرسکتی تھی۔ اگر انتونی نہ رہتا تو آکٹوین سے صلح کی کوئی نہ کوئی صورت نکالی جاسکتی تھی۔ ایک دفعہ تاج و تخت بچ جائے تو مستقبل کی کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آتی مگر انتونی اس کے ساتھ چپکے رہنے پر مصر تھا اور اب قلوپطرہ اس سے چھٹکارے پر آمادہ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید انتونی کچھ غیرت کھائے اور معرکہ ایکٹیم کی ناکامی پر خودکشی کرلے۔ ویسے بھی ان دنوں خودکشی ایک مقبول فعل تھا اور غیرت مندی کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ خاص طور سے رومی معززین ذلت کی زندگی پر خودکشی کو ترجیح دیتے تھے۔

ان دنوں قلوپطرہ کا ذہن آکٹوین سے نمٹنے کے طریقوں پر غور کررہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس بدذات شخص سے صلح بہت مشکل ہے۔ دوسری صورت میں مصر کو اس کی افواج قاہرہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جس کا وہ متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ ان دنوں آکٹوین روم کا آمر بنا ہوا تھا اور مصر اس کے لیے تر نوالے کی حیثیت رکھتا تھا مگر قلوپطرہ نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ

اتنی آسانی سے شکست تسلیم نہیں کرے گی۔ ابھی کئی راستے تھے۔ وہ پارس، میڈیا اور انتونی کی باج گزار حکومتوں کے بادشاہوں سے اتحاد کرکے آکٹوین کو مصر پر قبضے سے باز رکھ سکتی تھی۔ آکٹوین کے خطرے کے سدِباب کے لیے یہ ممالک خود قلوپطرہ کا ساتھ دیتے۔ وہ مشرقی ممالک کے اتحاد سے بھی اپنے مقاصد حاصل کرسکتی تھی اور کچھ دنوں میں سیزارین اس قابل ہوجاتا کہ فوج کی کمان کرسکے تو وہ اپنے باپ سیزر کی جانشینی حاصل کرنے کی کوشش کرسکتا تھا۔ مگر اس سے پہلے قلوپطرہ مصر کے معاملات پر اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہتی۔ گزشتہ کچھ عرصے میں رومی فاتحین کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے مصر میں اس کا تاثر خراب ہوا تھا اور کئی ایک مفسد اس کے خلاف ہنگامے کھڑے کرنے کے موقع کی تلاش میں تھے۔

مصر پہنچتے ہی قلوپطرہ نے تیزی سے امورِ مملکت پر گرفت کی۔ رومی فوجی دستوں کو پھیلا کر اس نے کسی ممکنہ بغاوت کا سدباب کیا۔ تمام مفسدوں کو جلاوطنی کے حوالے کیا۔ قلوپطرہ نے شاہ میڈیا کو اپنا طرفدار بنانے کے لیے اسکندریہ میں قید سابق شاہ آرمینیا کا سرکاٹ کر اسے روانہ کردیا۔ آرمینیا کا بڑا حصہ شاہ میڈیا کے قبضے میں تھا اور اسے ہردم خوف لاحق رہتا تھا کہ کہیں انتونی شاہ آرمینیا کو اس کی حکومت واپس نہ کردے۔ قلوپطرہ نے سرے سے اس خطرے کو ختم کردیا۔ ساتھ ہی شاہ میڈیا کے داماد الیگزینڈر ہیلیوس اور اس کی بیٹی کو بھی شاہ میڈیا کے پاس بھجوا دیا۔ وہ بڑی سرعت سے مشرق سے اپنے رابطے بحال کررہی تھی۔ مغرب نے اسے مایوس کیا تھا۔

○☆○

مصر میں بحیرۂ قلزم اور بحیرۂ روم کے درمیان تقریباً چالیس میل کی ایک صحرائی پٹی ہے۔ جو ان سمندروں کو جدا کرتی ہے۔ سب سے پہلے ایران کے شہنشاہ دارا اول نے ان سمندروں کو ملانے کے لیے ایک نہر بنوائی۔ جس سے بحری جہاز ایک سمندر سے دوسرے سمندر میں جاتے تھے بعد میں وقت کی گرد نے اس نہر کو بھر دیا۔ تین سو سال بعد شاہ بطلیموس فلاڈلفس نے نہر دوبارہ کھدوائی مگر صحرائی طوفانوں نے چند دن میں ان کا نام ونشان مٹا دیا۔ اس کے بعد اگر کبھی بحری جہازوں کو ایک سمندر سے دوسرے سمندر میں لانا ہوتا تھا تو انہیں چالیس میل تک ریت پر کھینچا جاتا تھا۔ بعد میں جب مسلمانوں کا دور آیا تو ایک بڑی نہر باقاعدہ منصوبے کے تحت تعمیر کی گئی۔ مگر فاصلہ کم کرنے کے لیے بحیرۂ قلزم کو دریائے نیل سے ملا دیا گیا۔ کئی صدیوں بعد یہ نہر پاٹ دی گئی۔

معرکہ ایکشم میں اپنے بچے کھچے بحری جہازوں کو قلوپطرہ نے بے انداز محنت و مشقت کے بعد بحیرہ روم تک پہنچا دیا۔ بظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ ملکہ مصر سے بھی فرار کی تیاری کررہی تھی تاکہ اگر آکٹوین مصر آپہنچے تو اپنا خزانہ اور گھر والوں کو لے کر کسی محفوظ مقام کی طرف نکل جائے لیکن درحقیقت قلوپطرہ اس بحری بیڑے کی مدد سے ہندوستان اور دور دراز کے ممالک تک اپنی رسائی یقینی بنا رہی تھی۔ میڈیا مصر کا حلیف تھا اور ہندوستان تجارتی اتحادی۔ صرف ایران ایسا تھا جو مصر کا دشمن تھا کیونکہ قلوپطرہ نے اس کے خلاف جنگ میں انتونی کی عملی مدد کی تھی۔ اب صرف میڈیا اور ہندوستان ہی ایسے ممالک بچتے تھے جو روم کے خلاف اس کی مدد کرسکتے تھے۔ اگرچہ سیاست میں کوئی بات حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ آج کے دوست کل کے دشمن بن جائیں تو کل کے دشمن آج کے دوست بھی ثابت ہوسکتے تھے۔

قلوپطرہ کے ان منصوبوں میں اس کی امید کا مرکز نوجوان سیزارین تھا۔ جسے اس نے مروجہ دنیا کی بہترین تعلیم دلائی تھی۔ وہ اعلیٰ درجے کا شہ سوار اور سپاہی تھا۔ اپنے ذہن سے وہ انتونی کو نکال چکی تھی لیکن نومبر میں انتونی جب اسکندریہ آیا تو وہ ملکہ کے ولولوں اور قلوپطرہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔ قلوپطرہ کے خیال میں انتونی خودکشی کرچکا تھا اور درحقیقت انتونی کی موت واقع ہوچکی تھی۔ وہ کہیں سے وہ عظیم انتونی نظر نہیں آتا تھا۔ جس کے ایک اشارے پر حکومتوں کے تختے الٹ جاتے تھے۔ اب وہ صرف ایک عام آدمی تھا۔ اس نے قلوپطرہ کو مشورہ دیا کہ اب جاہ پرستی ترک کرکے مصر کی طاقت بڑھانے کی کوشش کرے۔ مشرقی ممالک کے اتحاد سے اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی واضح کردیا کہ اب کارزارِ حکومت وسیاست میں وہ اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ قلوپطرہ کو جو کرنا تھا، اکیلے ہی کرنا تھا اور وہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار بھی تھی۔

غالباً انتونی بھانپ گیا تھا کہ ان کی تقدیر اتنی بگڑ چکی تھی کہ اب کسی تدبیر سے نہیں سنور سکتی تھی۔ اس نے گوشہ نشینی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور مصر کے مغرب میں اسکندریہ سے ذرا آگے ایک خشکی کا ٹکڑا جو دور تک سمندر میں چلا جاتا تھا۔ وہاں کسی زمانے میں بحری جہازوں کے لیے ایک پختہ پشتہ تعمیر ہوا تھا۔ انتونی نے اسی پشتے پر ایک چھوٹی سی عمارت بنوائی اور وہیں چند خادموں کے ساتھ رہنے لگا۔

انتونی کا اندازہ درست تھا۔ تقدیر نے ان کے خلاف

ایک اور چال چلی۔ قلوپطرہ جس مشکل سے اپنے باقی ماندہ بحری جہازوں کو بحیرۂ قلزم تک لائی تھی' باغی عربوں نے اتنی ہی آسانی سے حملہ کرکے ان جہازوں کو آگ لگا دی۔ قلوپطرہ کے پاس اتنی فوج نہیں تھی کہ جہازوں کی حفاظت پر لگاتی۔ یوں ہندوستان تک جانے اور مشرقی ممالک سے اتحاد کرنے کے خواب کو دھچکا لگا تھا۔ قلوپطرہ جلد از جلد مصر کو اس قابل بنانا چاہتی تھی کہ وہ آکٹوین کے حملے کے خلاف دفاع کرسکے۔ وہ ان دنوں ایشیائے کوچک میں تھا۔ تمام ممالک مقبوضہ میں انتونی کی افواج اس کی اطاعت قبول کرچکی تھیں اور فوجی اعتبار سے پوری دنیا میں کوئی شخص آکٹوین سے زیادہ طاقت ور نہیں تھا مگر فی الوقت وہ مالی مسائل کا شکار تھا۔ اتنی بڑی فوج کے مصارف برداشت کرنا کوئی کھیل نہیں تھا اور آکٹوین کی حریص نظریں مالا مال مصر کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اس نے انتونی کے طرف دار تمام بادشاہوں کو معزول کردیا تھا۔ سوائے یہودی ریاست کے شاہ ہیروڈ کے۔ اس شخص نے اسکندریہ آکر انتونی کو ترغیب دی کہ قلوپطرہ کو قتل کرکے خود مصر کے اقتدار پر قابض ہوجائے مگر انتونی نے یہ گھٹیا تجویز خفگی کے ساتھ مسترد کردی اور شاہ ہیروڈ کو اسکندریہ سے دفع ہوجانے کا حکم دیا۔ قلوپطرہ کا بدترین دشمن یہ شخص ہر قیمت پر اس کی تباہی چاہتا تھا کیونکہ اسے خوف تھا اگر قلوپطرہ برسرِ اقتدار رہی تو ایک دن اس کی ریاست پر قبضہ کرلے گی۔ وہ اسکندریہ سے اس ارادے کے ساتھ نکلا کہ آکٹوین سے جا ملے گا۔ انتونی نے اپنے معتمدِ خاص الیگزینڈر کو اس کے پیچھے روانہ کیا کہ اسے باز رکھے۔ الیگزینڈر اسے کیا باز رکھتا۔ وہ خود موقع کی تلاش میں تھا۔ بجائے شاہ ہیروڈ کو روکنے کے اس کے ساتھ خود بھی آکٹوین کے پاس جا پہنچا۔ جو خود بھی خاصے عرصے سے الیگزینڈر کی تلاش میں تھا کیونکہ اس کی بہن آکٹیا کو طلاق دلوانے میں اسی الیگزینڈر کا ہاتھ تھا۔ فوراً ہی اسے جلاد کے سپرد کردیا گیا البتہ شاہ ہیروڈ کی درخواست قبول ہوئی اور آکٹوین نے اطاعت کی شرط پر اس کی حکومت بحال رکھی۔

آکٹوین تنخواہ نہ ملنے کے سبب بغاوت پر آمادہ فوجیں لے کر ایشیائے کوچک روانہ ہوا۔ یہ فروری کا مہینہ تھا اور ۳۰ قبل مسیح کا سال تھا۔ قلوپطرہ نے ایک شان دار اور پُروقار تقریب میں سیزارین کے بڑے ہونے اور حکومت کی ذمے داری سنبھالنے کا اعلان کیا۔ یہ اعلان اس کی سیاسی ضرورت تھی۔ مصری باشندے اب تک ایک عورت کے بجائے ایک مضبوط مرد کے ماتحت رہنا چاہتے تھے۔ جو مصر کی عظمت بحال کرے۔ قلوپطرہ دوسروں کو جتا دینا چاہتی تھی کہ اب وہ اکیلی نہیں ہے بلکہ اس کے شانہ بشانہ اس کا نوجوان بیٹا موجود ہے۔

سیزارین کی تخت نشینی کی خبر نے انتونی کے ہوش اڑا دیے۔ وہ جانتا تھا کہ آکٹوین کو یہ خبر کس قدر غضب ناک کردے گی اور وہ لشکر سنبھال کر مصر پر چڑھ دوڑے گا۔ انتونی فوراً اسکندریہ آیا اور قلوپطرہ کو اس اعلان کے نتائج سے ڈرانے لگا۔ کتنا افسوس ناک مقام تھا' ایک عظیم جرنیل ایک عورت کو بزدلی کا سبق سکھا رہا تھا۔ قلوپطرہ نے اس کی بات ماننے سے انکار کردیا۔ البتہ یہ وعدہ کیا کہ وہ انتونی کے بڑے لڑکے جو سیزارین کی عمر کا تھا۔ اس کے بالغ ہونے کا اعلان بھی کرا دے گی۔ ساتھ ہی انتونی کو مشورہ دیا کہ یا تو خودکشی کرلو یا دنیا بے زاری کا یہ ڈھونگ ختم کرکے مردوں کی طرح حقائق کا سامنا کرے۔ انتونی خود بھی اس خود ساختہ تنہائی سے تنگ آگیا تھا۔ فوراً اسکندریہ واپس آیا اور اپنے اسکندریہ کے پہلے دورے کی یاد تازہ کرنے لگا۔ شراب نوشی اور بسیار خوری اس کی عادت بن چکی تھی۔ قلوپطرہ اور انتونی نے ان دنوں اسکندریہ میں جشن و عیش و عشرت کی وہ تقریبات منعقد کیں کہ یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ ابھی کچھ عرصے پہلے دشمن سے فیصلہ کن شکست کھا چکے تھے اور اب دشمن مصر پر گھات لگائے بیٹھا تھا۔ قلوپطرہ کا مقصد اپنی عوام کو شکست اور خوف کے نفسیاتی مرض سے بچانا تھا تو انتونی ان ہنگاموں میں خود کو اور ساری دنیا کو بھول جانا چاہتا تھا۔ ان دنوں وہ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست کی عملی تفسیر بنا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جلد آکٹوین مصر کا رخ کرے گا۔ اس سے پہلے جتنا عیش کرنا ہے کرلو۔

قلوپطرہ اب تک مصائب اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتی آئی تھی۔ اس کی بدقسمتی کہ وہ زوال پذیر مصر کی ملکہ تھی۔ ورنہ وہ کسی مضبوط ملک کی حکمران ہوتی تو اپنے حوصلے اور تدبیر سے تاریخ کے عظیم فاتحین میں اپنا نام لکھوا سکتی تھی۔ اسے سیزر کا سہارا ملا۔ مگر جلد چھن گیا پھر انتونی کا ہاتھ تھاما تو وہ خود قلوپطرہ پر بوجھ بن گیا۔ مستقبل اماوس کی شب کی طرح تاریک تھا۔ اتنے میں خبر آئی کہ آکٹوین ایشیائے کوچک کی مہم سے فاتحانہ واپس آگیا ہے۔ قلوپطرہ کی رہی سہی امیدیں بھی خاک میں مل گئیں۔ اب مصر کو آکٹوین سے بچانا ناممکن تھا۔ قلوپطرہ نے وہ فیصلہ کیا جو انتونی نہیں کرسکا تھا۔ یعنی قلوپطرہ زندہ گرفتار ہونے کی نسبت خودکشی کرنا پسند کرے گی۔ لہٰذا اس نے مصر کے قید خانوں میں

موجود سزائے موت پانے والے افراد پر مختلف اقسام کے زہروں کی آزمائش شروع کردی۔ ان میں حیاتیاتی اور غیر حیاتیاتی دونوں طرح کے زہر شامل تھے۔ ان دنوں سائنائڈ دریافت نہیں ہوا تھا۔ قلوپطرہ نے ان تمام زہروں کو مسترد کردیا۔ جن سے موت تکلیف کے ساتھ اور دیر سے آتی۔ بالآخر فیصلہ پھن دار پدم سانپ کے حق میں ہوا۔ افعی کہلانے والا یہ صحرائی سانپ حد درجے زہریلا ہوتا ہے اور یہ ایک جوان آدمی کو کاٹ لے تو محض بیس سے تیس منٹ میں موت واقع ہوجاتی ہے۔ اس کے زہر کے اثر سے غنودگی طاری ہوتی ہے۔ انسان سوجاتا ہے اور اس نیند کے دوران اس کا نظام تنفس بند ہوجاتا ہے۔ موت بے حد خاموشی سے اور سکون سے آتی ہے۔ ویسے بھی یہ سانپ مصر کا شاہی نشان تھا اور فرعون کے لباس میں اس کی شبیہ استعمال کی جاتی رہی تھی۔ البتہ بطلیموس خاندان نے آکرافعی کے بجائے عقاب کو شاہی نشان بنالیا تھا۔

جلد آکٹوین شام پہنچا اور وہاں فوجوں نے اس کی اطاعت قبول کرلی۔ ایک رومی دستے نے پیراٹونیم کی بندرگاہ پر قبضہ کرلیا۔ مصر تک یہ سب اطلاعات پہنچ رہی تھیں۔ قلوپطرہ نے اپنے بیٹے سیزارین کو خزانے اور ایک بیڑے کے ساتھ ملک ہندوستان بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ وہاں پناہ حاصل کرلے اور قسمت یاوری کرے تو مشرقی بادشاہوں کی مدد سے اپنا کھویا ہوا ملک دوبارہ حاصل کرلے۔ مئی کے آخر میں شہزادہ بحیرۂ قلزم کی بندرگاہ برنیس کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں سے وسط جولائی میں سوداگروں کے قافلے ہندوستان اور مشرقی ممالک کے لیے روانہ ہوتے تھے کیونکہ ان دنوں سمندری ہوائیں موزوں ہوتی تھیں۔

سیزارین کو رخصت کرتے ہوئے قلوپطرہ کی حالت بُری تھی۔ وہ بار بار بیٹے سے لپٹ جاتی۔ اس نے اتنی بڑی دنیا میں اگر کسی سے ٹوٹ کر محبت کی تھی تو وہ اس کا یہی بیٹا تھا۔ جس کے لیے وہ سترہ سال تک دیوانہ وار حالات سے لڑتی رہی۔ دوسروں کے سہارے تلاش کرتی رہی۔ اپنا سکون و چین برباد کیا اور روم جیسی طاقت ور مملکت سے دشمنی مول لی۔ اب یہی سیزارین اس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہا تھا۔ وہ اپنے اس جگر گوشے کو پھر نہیں دیکھ پاتی۔ اس کی سلامتی قلوپطرہ کو اتنی عزیز تھی کہ قلوپطرہ نے اس پر خود کو، انتونی کو اور بقیہ بچوں کو قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ورنہ سیزارین کے ساتھ نکل جانا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا لیکن اس صورت میں خطرہ آکٹوین کی صورت میں مسلسل ان کا پیچھا کرتا۔

ویسے بھی قلوپطرہ جیسی پُرعزم عورت سے یہ توقع محال تھی کہ وہ دشمن سے ڈر کر اپنا ملک چھوڑ دے اور دوسروں سے پناہ کی بھیک مانگتی پھرے۔ اس کے بجائے وہ اپنے ملک میں عزت کی موت مرنا پسند کرتی۔ جیسا کہ اس نے کیا تھا۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ روم کے قبضے میں جانے سے مصریوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ زوال پذیر قوم اب اتنی بے حمیت ہوگئی تھی کہ فوراً اپنے نئے آقاؤں کو اپنا حکمران تسلیم کرلیتی۔ اس کے باوجود اس نے آخری لمحے تک اس ملک میں رہنے اور اپنا فریضہ انجام دینے کا دلیرانہ فیصلہ کیا۔

تیس قبل مسیح میں آکٹوین نے مصر پر حملے کی تیاری مکمل کرلی تھی۔ اس دوران میں قلوپطرہ اور انتونی نے اس سے سلسلۂ پیغامات شروع کردیا۔ قلوپطرہ نے سیزارین کے حق میں حکومت سے دستبرداری کی پیشکش کی تھی۔ بشرطیکہ آکٹوین پھر مصر سے کوئی تعرض نہ کرے۔ اس کے برخلاف انتونی نے صرف جاں بخشی کی درخواست کی تھی۔ مکار آکٹوین نے انتونی کے خط کا کوئی جواب نہیں دیا اور قلوپطرہ کو لکھا کہ جاں بخشی کی ایک ہی صورت ہے۔ انتونی کو مروا دو مگر اس کا سفیر تھرسس نہایت ذہین شخص تھا۔ وہ آکٹوین کے لہجے سے اس کی مکاری بھانپ گیا اور واپس جاکر ملکہ کو آکٹوین کے پیغام کے ساتھ اپنے خدشات سے بھی آگاہ کیا اور یہ حقیقت بھی۔ آکٹوین، انتونی کے لیے موت کا فیصلہ کرچکا تھا۔ البتہ قلوپطرہ کے بارے میں طے ہوا کہ اسے زندہ گرفتار کرکے روم میں اس کی نمائش کی جائے گی۔

انتونی کو اس خط و کتابت کی خبر ہوئی تو اس کا حسد کے مارے برا حال ہوگیا۔ ایک غلام زادہ اتنی ہمت کرے کہ ملکہ سے بے تکلف ملے۔ اس نے اپنے آدمیوں سے تھرسس کو اغوا کرا کے اس کی خوب مرمت کرائی اور واپس آکٹوین کے پاس بھجوا دیا۔ اس پیغام کے ساتھ کہ اس بدتمیز اور گستاخ شخص کی یہی سزا تھی۔ اگر تمہیں اس کا ریج ہے تو میرا آزاد کردہ غلام سیپارکس تمہارے پاس ہے۔ تم چاہو تو اسے پٹوا کر بدلہ لے سکتے ہو۔

خلافِ توقع قلوپطرہ انتونی کی اس جرأت پر خفا ہونے کے بجائے خوش ہوئی۔ اسے ایسے مرد پسند تھے جو خطروں سے کھیلتے ہوں۔ وہ اب تک انتونی سے خفا تھی تو اس حرکت کے بعد اس کی دل جوئی کرنے لگی۔ اس نے بطور خاص انتونی کی سالگرہ خوب دھوم دھام سے منائی۔ غالباً وہ انتونی کو یہ سمجھانا چاہتی تھی کہ وہ اس آخری جنگ میں مردوں کی طرح لڑے تو وہ اس کے ساتھ فخر سے جان دینا پسند کرے گی۔ خود

انتونی بھی مرنے مارنے پر تُلا ہوا تھا۔ اس نے چند جہاز لیے اور پیلوشیم کی بندرگاہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ قلعہ اور شہر آکٹوین کے قبضے میں جا چکا ہے۔ وہاں اترتے ہی رومنوں نے ان پر حملہ کیا۔ انتونی بمشکل اپنی جان بچا سکا اور اکثر فوج اور بحری جہاز گنوا کر واپس پہنچا اور قلوپطرہ پر برس پڑا کہ اس نے قلعہ چپکے سے دشمن کے حوالے کردیا۔ ملکہ نے اسے یقین دلایا کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ یہ قلعے دار سیلیوکس کی حرکت تھی۔ انتونی قائل تو ہوا لیکن اب وہ مکمل طور پر بد دل ہوچکا تھا۔ اس کی مایوسی کی راکھ میں ہمت کی آخری چنگاری تھی جو لمحے بھر کو جلی اور پھر راکھ ہوگئی۔ اب وہ بزدلانہ حرکتوں پر اُتر آیا۔ اس نے قلوپطرہ سے اجازت لیے بغیر اپنے بیٹے انٹیلس کو آکٹوین کے پاس خاصا بڑا خزانہ دے کر بھیجا تاکہ وہ یہ زرفد یہ قبول کرکے اس کی جاں بخشی کردے۔ آکٹوین نے ڈکار لیے بغیر رقم ہضم کی اور انٹیلس بے نیل مرام لوٹ آیا پھر ان ہی دنوں جولیس سیزر کا ایک قاتل ٹرولیس انتونی کے ہاتھ لگا۔ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ٹرولیس کو سیزر ین کے حوالے کرتا یا خود مار ڈالتا۔ اس کے بجائے انتونی نے اس غدار کو آکٹوین کو بھجوا دیا۔ یعنی وہ اسے سیزر کا جانشین تسلیم کرتا ہے۔ حسبِ معمول آکٹوین نے ٹرولیس کو ٹھکانے لگا دیا لیکن انتونی کو جواب دینے کی ضرورت نہ سمجھی۔ انتونی نہایت بزدلی کا مظاہرہ کررہا تھا۔ آخر میں اس نے کسی ایسے ملک کی طرف فرار کا سوچا جہاں آکٹوین کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں۔

دوسری طرف آکٹوین مسلسل قلوپطرہ کو ترغیب دے رہا تھا کہ وہ انتونی کو قتل کروا دے یا اس کے حوالے کردے یا پھر اسے ملک سے نکال دے تو وہ ملکہ کی ہر بات مان لے گا۔ اسے یقین تھا کہ قلوپطرہ اس کی پیشکش قبول کرلے گی۔ انتونی ویسے بھی اب بیکار شخص تھا جو ایک عورت سے بھی گیا گزرا ہورہا تھا۔ ملکہ آکٹوین کی بات پر بھروسا کرکے اسے داؤ پر لگا دیتی تو کوئی اسے الزام نہیں دیتا۔ ویسے بھی تاج و تخت کے لیے رشتے داروں کی قربانی سب سے پہلے دی جاتی ہے مگر اس موقع پر قلوپطرہ نے اس عظیم الشان کردار کا مظاہرہ کیا جس کی توقع ایک عورت سے تو کی جاسکتی ہے ایک ملکہ سے نہیں۔ اس نے آکٹوین کو صاف جواب دے دیا کہ انتونی کو ضرر پہنچانا اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اسے معلوم تھا کہ اس جواب کے بعد بدفطرت آکٹوین چراغ پا ہوکر اسکندریہ پر چڑھ دوڑے گا۔ قلوپطرہ نے سرگرمی سے دارالحکومت کے دفاع کو مضبوط بنانے کی سعی شروع کردی۔ شہر میں رومی، مصری اور مقدونی فوجی دستے موجود تھے۔ یہ سب تربیت یافتہ لڑاکے تھے۔ جو آسودہ حال بھی تھے اور ان سے توقع کی جاتی تھی کہ بوقتِ ضرورت جاں نثاری کا حق ادا کردیں گے۔ اس اثنا میں آکٹوین کا قاصد صاف لفظوں میں انتونی کے سر کا مطالبہ لے کر آیا اور قلوپطرہ نے اسے یہ تاریخی جواب دیا۔

"اگر تم میرے شوہر کا ناکارہ سر حاصل کرنے کے لیے اتنے ہی بے چین ہو تو اسکندریہ کی فصیل توڑ کر اسے حاصل کرلو۔"

مصری دستور کے مطابق قلوپطرہ نے زندگی میں ہی اپنا مقبرہ تیار کرالیا تھا۔ بطلیموس سابقہ مصری فرعونوں کی نسبت خوب صورت اور حسین عمارات میں دفن ہونا پسند کرتے تھے۔ ان کے مقبرے بھی خفیہ نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ مال و دولت ساتھ لے جانے کے بجائے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ کر جانا زیادہ پسند کرتے تھے۔ یہ مقبرہ اسکندریہ کے شمال مغرب میں آئی سس جو زہرہ دیوی کا مصری مظہر تھی۔ اس کے مندر سے ملحق تھا۔ یہ مقبرہ کئی سال پہلے تیار ہوگیا تھا اور اس کی تین منزلہ عمارت حسن کے تعمیر کا شاہکار تھی۔ سفید سنگِ مرمر کے نفیس استعمال اور مصری یونانی ملے جلے فنِ تعمیر نے اسے یقیناً اپنے وقت کا شاہکار بنا دیا ہوگا۔ افسوس کہ اب اس عمارت کے صرف چرچے باقی ہیں۔

آکٹوین کی آمد کی خبر پاکر قلوپطرہ نے اپنا تمام خزانہ اس عمارت کی بالائی منزل پر منتقل کردیا اور پوری عمارت کو خشک لکڑیوں سے بھر دیا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر آکٹوین سے شکست کھائی تو خود کو افعی ناگ سے ڈسوا کر لکڑیوں کو آگ لگا دے گی۔ تاکہ خزانہ بھی اس کے ساتھ جل کر ختم ہو اور آکٹوین کے ہاتھ سوائے راکھ کے کچھ نہ آئے۔

جولائی کے آخر تک آکٹوین فوجیں لے کر نازل ہوگیا۔ اس نے آتے ہی شہر پناہ اور بندرگاہ کا محاصرہ کرلیا۔ خود اس نے اپنا کیمپ شہر کی مشرقی سمت پر واقع چٹان پر قائم کیا۔ پرانے حریف کو سامنے پاکر انتونی کے وجود میں شعلہ سا لپکا۔ وہ فوج لے کر شہر پناہ سے نکلا اور ایسا زور دار حملہ کیا کہ مخالف فوج کو رگید تا ہوا آکٹوین کے کیمپ تک جا پہنچا پھر پلٹا اور مارتا کاٹتا واپس شہر میں آگیا۔ اس روز ایسی زوردار جنگ ہوئی کہ دونوں طرف کے سیکڑوں آدمی مارے گئے۔ خود انتونی سرتاپا خون میں غرق تھا۔ اس حالت میں بھی انتونی کا جذبۂ فیاضی اتنا نمایاں تھا کہ اس نے بطور خاص ایک کمان دار کی تعریف کرکے اسے ملکہ سے طلائی زرہ اور خود دلوایا اور.....

... غداری، زمانہ دیکھئے اسی رات یہ شخص زرہ اور خود پہنے آکٹوین کے کیمپ جا پہنچا۔

قلوپطرہ اپنے شوہر کی اس ہمت اور دلیری سے خوش تھی۔ وہ برابر اس کی ہمت افزائی کر رہی تھی۔ اس رات اسکندریہ میں پُراسرار واقعات پیش آئے۔ آسمان یکایک روشن ہوگیا اور پھر دور شہر پناہ کی طرف سے موسیقی اور تانوں کی آوازیں آئیں۔ جیسے کوئی جلوس گزر رہا ہو۔ شہر کے وسط تک پہنچ کر یہ آوازیں یکایک خاموش ہوگئیں لوگ اپنے گھروں میں دبکے تھے مگر پہرے داروں کو بھی کوئی نظر نہیں آیا۔ کچھ نہیں معلوم کہ یہ آوازیں کہاں سے آرہی تھیں اور کہاں جاکر غائب ہوگئیں۔ بہرحال شگون پسند افراد نے یہ استعارہ لیا کہ آج قسمت انتونی سے بالکل ہی منہ موڑ گئی تھی۔

اگلی صبح انتونی پھر لشکر لے کر نکلا تھا کہ اس نے اپنے بحری بیڑے کو بغیر حکم آکٹوین کے جہازوں کی طرف جاتے دیکھا۔ مصری جہازوں نے جنگ کے بجائے ہتھیار ڈالنے کو ترجیح دی تھی۔ وہ ابھی دشمن سے ملے تھے کہ انتونی کے گھڑ سوار دستے بھی دشمن کے رسالے سے جا ملے۔ حیران پریشان انتونی کے ساتھ صرف پیدل دستے باقی رہ گئے تھے۔

"غداری، قلوپطرہ نے میرے ساتھ غداری کی ہے!"

یکایک انتونی چلایا اور پلٹ کر گھوڑا شاہی محل کی طرف دوڑا دیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے تلوار نکالی اور بکتا جھکتا دیوانہ وار قلوپطرہ کو تلاش کرنے لگا۔ وہ چیخ چیخ کر اسے مار ڈالنے کی دھمکی دے رہا تھا۔ ایک کمرے میں موجود قلوپطرہ نے اس کی آواز سے سمجھ لیا کہ بازی پلٹ گئی ہے اور اس وقت وہ انتونی کے سامنے آگئی تو وہ واقعی اسے ـــــ موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ وہ جان بچانے کے لیے بھاگی۔ وہ قصرِ شاہی کے خفیہ راستوں سے خوب واقف تھی۔ شکست کی خبر سنتے ہی محل کے پہرے دار، غلام اور خادمائیں غائب ہوگئی تھیں۔ سوائے دو وفادار خادماؤں کے۔ جن کے نام تاریخ میں ایراس اور ستارمیان درج ہیں۔ یہ کنیزیں آخر تک قلوپطرہ کے ساتھ رہیں۔ خفیہ راستے سے فرار ہوکر قلوپطرہ اپنے مقبرے تک پہنچی۔ وہاں تعینات افراد بھی جا چکے تھے۔ خالی مقبرے کی عمارت میں گھس کر تینوں عورتوں نے مرکزی دروازہ بند کردیا اور حفظِ ماتقدم کے طور پر اس کے آگے بھاری سامان رکھ دیا۔

قلوپطرہ ابھی تک باحوصلہ تھی۔ اس نے فوری خودکشی کے خیال کو ترک کردیا اور مقبرے کی آخری منزل سے شہر اور بندرگاہ کے حالات دیکھنے لگی۔ آکٹوین کی افواج نے بندرگاہ پر قبضہ کرلیا تھا اور اب قصرِ شاہی اور قلعے میں داخلے کی تیاری کر رہی تھی۔ فتحِ اسکندریہ اس کی توقع سے زیادہ آسان ثابت ہوئی تھی۔ قصر میں انتونی کا جنون اترا تو اسے اپنی حالت کا احساس ہوا۔ وہ قلوپطرہ پر شک کر رہا تھا۔ اب غصہ اُترا تو اسے ملکہ پر پیار آنے لگا۔ پہلے اسے جنون کے عالم میں تلاش کر رہا تھا تو اب دل سوزی سے اسے پکارنے لگا مگر قلوپطرہ وہاں ہوتی تو ملتی۔ اتنے میں کچھ خدام جنھوں نے ملکہ کو مقبرے کی طرف جاتے دیکھا تھا، یہ خبر لائے کہ ملکہ نے خودکشی کرلی ہے۔

یہ سنتے ہی دنیا انتونی کی نظروں میں تاریک ہوگئی۔ کہاں تو وہ کچھ دیر پہلے خود اسے مارنے کے درپے ہو رہا تھا اور کہاں اب اس کی خودکشی کی خبر سنی تو شدتِ غم سے حالت بری ہوگئی۔ سینے میں قلوپطرہ کی محبت اور اس سے جدائی کے دکھ کا طوفان سا اٹھا۔ اس نے نہایت کرب کے عالم میں کہا۔

"انتونی اب کس لیے زندہ ہو۔ دنیا کی واحد ہستی جو تجھے عزیز تھی اب مرگ کے سمندر میں اتر چکی ہے۔"

یہ کہہ کر انتونی نے اپنے خاص غلام عیروص سے کہا "تمھیں اپنا عہد یاد ہے۔"

عیروص نامی یہ غلام انتونی کا سب سے قابلِ اعتماد شخص تھا۔ یہ برسوں سے اس کے ساتھ تھا اور جب سب انتونی کا ساتھ چھوڑ گئے تب بھی اس نے انتونی سے جدا ہونے سے انکار کردیا تھا۔ کچھ عرصے پہلے انتونی نے اس سے عہد لیا تھا کہ جب وقت آئے گا تو وہ اپنی تلوار سے انتونی کا کام تمام کردے گا۔ عیروص نے عہد کیا تھا اور یہی عہد انتونی اسے یاد دلا رہا تھا۔ اس نے اپنی قمیض اتار پھینکی اور عیروص سے بولا "اپنا عہد پورا کرو۔"

غلام نے لرزتے ہاتھوں سے تلوار نیام سے نکالی مگر اسے انتونی کے سینے میں گھونپنے کے بجائے اچانک اپنے سینے میں اتار لیا۔ انتونی جاں نثاری اور وفاداری کے اس مظاہرے پر دم بخود رہ گیا تھا۔ اس نے عیروص کے مرنے کے بعد تلوار اس کے سینے سے نکالی اور یہ کہتے ہوئے اپنے سینے میں اتار لی "تم نے اپنے آقا کو خوب راستہ دکھایا۔"

انتونی کے گرتے ہی اس کے ساتھ موجود تمام سپاہی فرار ہوگئے۔ ان کے خیال میں انتونی ہلاک ہوچکا تھا مگر مشاق سپاہی نے اپنے سینے میں نہایت اناڑی پن سے تلوار اتاری تھی۔ زخم گہرا ضرور تھا لیکن مہلک نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد اسے ہوش آیا تو کچھ خادم آس پاس منڈلا رہے تھے۔

انہوں نے انتونی کو بتایا کہ ملکہ ابھی زندہ ہے۔ یہ سن کر انتونی مچل اٹھا۔ اس نے خادموں سے کہا کہ جیسے بھی بن پڑے اسے ملکہ کے حضور لے چلیں۔ اکثر خادم تو یہ سنتے ہی وہاں سے فرار ہوگئے لیکن دو دردمندوں نے انتونی کو ایک چارپائی پر ڈالا اور بصد مشکل ملکہ کے مقبرے تک لے آئے۔ انتونی کے پیچھے عوام کا ایک ہجوم بھی تھا۔ ملکہ نے اوپر سے جھانکا تو عین دروازے کے سامنے جاں بہ لب انتونی کو دیکھ کر شدتِ غم سے بے تاب ہوگئی۔

"انتونی!" اس نے چیخ ماری۔

انتونی نے سر اٹھا کر ملکہ سے گزارش کی کہ اسے اپنے پاس بلالے۔ وہ اس کی آغوشِ محبت میں جانِ دینا چاہتا تھا مگر قلوپطرہ کو بجا طور پر یہ اندیشہ تھا کہ اس نے ایک بار دروازہ کھول دیا تو ہجوم میں موجود آکٹوین کے ہمدرد فوراً اسے گرفتار کرلیں گے اور وہ اپنے شوہر کی آخری خواہش بھی پوری کرنا چاہتی تھی۔ لہٰذا اس نے اوپر سے رسہ پھینکا اور خادموں سے کہا کہ انتونی کو اس میں باندھ دیں۔ خادموں نے زخمی انتونی کے جسم سے رسہ باندھا اور اوپر موجود ملکہ اور اس کی کنیزوں نے زخم سے کراہتے ہوئے انتونی کو اوپر کھینچنا شروع کردیا۔ بسیار خوری اور آرام طلبی کے باعث انتونی کا وزن بہت بڑھ گیا تھا۔

کس قدر عبرت ناک اور درد انگیز منظر تھا۔ ایک عظیم جرنیل اور فاتح جس نے دنیا کے بڑے حصے پر حکومت کی۔ بے بسی کے عالم میں رسی سے بندھا لٹک رہا تھا اور دنیا کے سب سے مہذب اور دولت مند ملک کی ملکہ اپنی زندگی کی شدید ترین مشقت کررہی تھی۔ کتنی مشکل سے قلوپطرہ نے انتونی کو اوپر کھینچا' اسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ کھڑکی کے راستے اندر کھینچ کر تینوں عورتوں نے انتونی کو بستر تک پہنچایا۔ انتونی کو لب بہ مرگ دیکھ کر قلوپطرہ صرف بیوی رہ گئی تھی۔ دھاڑیں مار کر روتی رہی اور انتونی کے زخم سے خون روکنے کی کوشش کرتی رہی۔ اس کوشش میں خود بھی خون خون ہوگئی۔ معاً انتونی ہوش میں آیا۔ قلوپطرہ کو سامنے دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

"انتونی کی جان' میرے بعد جس طرح ممکن ہو آکٹوین سے کوئی باعزت سمجھوتا کرلینا اور اس کے ساتھیوں میں سے صرف پروکولیس پر بھروسا کرنا۔ میری اس موت سے غمگین نہ ہونا کیونکہ زندگی نے میری ہر خواہش پوری کی سوائے ایک کے۔" یہ کہتے کہتے انتونی کی جان نکل گئی اور قلوپطرہ اور اس کی کنیزیں چیخ چیخ کر ماتم کرنے لگیں۔ قلوپطرہ نے شدتِ غم سے اپنے کپڑے پھاڑ دیے اور چہرہ زخمی کرلیا تھا۔

ابھی قلوپطرہ' اپنے شوہر کے غم سے نڈھال تھی کہ دشمن آپہنچے۔ ان کے فاتحانہ نعروں اور ہتھیاروں کی جھنکار نے ملکہ کو چوکنا کردیا۔ وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھی۔ نیچے جمع سپاہ مقبرے کے دروازے کو توڑنے کے انتظامات کررہی تھی۔

"خبردار! کسی نے دروازے کو ہاتھ بھی لگایا۔ میں خودکشی کرکے عمارت کو آگ لگوا دوں گی۔" اس نے چیخ کر کہا۔

یہ سن کر فوجی پیچھے ہٹ گئے اور پھر آکٹوین کا ایلچی پروکولیس آن پہنچا' جس کا انتونی نے ذکر کیا تھا۔ اس نے ملکہ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ دروازہ کھولنے اور اندر آنے کو کہہ رہا تھا مگر قلوپطرہ اتنی کم عقل نہیں تھی کہ صرف انتونی کے کہنے میں آکر اس پر بھروسا کرلیتی۔ وہ زینے سے نیچے گئی اور بند دروازے کے پیچھے سے پروکولیس سے بات کی۔ قلوپطرہ جاں بخشی کے وعدے کے ساتھ سیزارین کی تخت نشینی کی ضمانت چاہتی تھی اور پروکولیس بغیر کسی واضح وعدے کے ملکہ کو آکٹوین کی جانب سے رحم دلی مروت کا یقین دلا رہا تھا مگر ان بدترین حالات میں بھی ملکہ کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا۔ اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کردیا۔ پروکولیس بے نیل...مرام واپس لوٹ گیا اور جاکر آکٹوین کو مشورہ دیا کہ ملکہ کسی صورت دروازہ کھولنے کو تیار نہیں ہے۔ اگر ہوشیاری سے کام لیا جائے تو کھڑکی کے راستے داخل ہوکر ملکہ پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ آکٹوین نے منصوبے کی منظوری دیتے ہوئے پروکولیس اور کارنیلس کو ملکہ کی گرفتاری پر مقرر کیا۔

دونوں مقبرے پر پہنچے۔ اس دفعہ مذاکرات کارنیلس نے شروع کیے۔ ملکہ کے ساتھ دونوں خادمائیں بھی دروازے سے لگی کھڑی تھیں۔ موقع غنیمت جان کر پروکولیس پھرتی سے سیڑھی لگا کر کھڑکی کے راستے اندر جا پہنچا۔ جہاں انتونی ہمیشہ کی نیند سو رہا تھا۔ پروکولیس کے پیچھے رومی افسر تھے۔ وہ چپکے سے سیڑھیاں اتر کر نیچے جانے لگے۔ جہاں ملکہ بے خبر کھڑی تھی لیکن ایک خادمہ کی نظر ان پر پڑ گئی۔ اس نے چیخ ماری اور جب قلوپطرہ نے گرفتاری کو سامنے دیکھا تو کمر سے بندھا خنجر نکال کر سینے میں گھونپنے کی کوشش کی مگر پروکولیس زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے جست لگائی اور پلک جھپکنے میں قلوپطرہ سے خنجر چھین لیا۔

"افسوس ملکہ آپ نے آکٹوین کی رحم دلی اور شرافت پر بھروسا نہ کرتے ہوئے خودکشی کی کوشش کی۔ تاکہ ہمارے آقا کو دنیا بھر میں بدنام کرسکیں۔" یہ کہتے ہوئے پروکولیس نے دروازہ کھول دیا اور کارنیلس بھی اندر گھس آیا۔ انہوں نے ملکہ اور اس کی کنیزوں کو حراست میں لے لیا۔ اس اثنا میں آکٹوین کا قاصد آپہنچا۔ بصورت گرفتاری ملکہ کو بے حد احترام سے رکھا جائے اور اسے خودکشی نہ کرنے دی جائے۔ پروکولیس نے قلوپطرہ کو ایک خالی کمرے میں پہنچادیا اور وہاں سے ہر وہ چیز ہٹادی جو خودکشی میں معاون ثابت ہوسکتی تھی۔

اس شام تک آکٹوین فاتحانہ انداز میں اسکندریہ میں داخل ہوا۔ عوام خوف سے بے حال تھی کہ اب ان کی خیر نہیں ہے مگر آکٹوین نے شہر کے جمنازیم میں شہر کے لوگوں کو جمع کرکے انہیں امان کی نوید سنائی۔ اس نے چار وجوہات بیان کی تھیں۔ اول یہ شہر سکندر اعظم سے منسوب ہے۔ دوم وہ اس شہر کی خوب صورتی سے متاثر ہوا تھا' تیسرے دیوتا سیرافس کے لحاظ کی وجہ سے اور چوتھے اس لیے کہ یہاں ایری لیس جیسا عظیم فلسفی رہتا ہے۔ ایری لیس اسکندریہ میں آکٹوین کا استقبال کرنے والوں میں سرفہرست تھا۔ اس نے شہریوں کی جاں بخشی کرائی تھی لیکن ساتھ ہی حکومت کے ارکان اور اپنے حریفوں کو چن چن کر آکٹوین کے ہاتھوں مروا دیا تھا۔ آکٹوین نے ملکہ کو دھمکی ارسال کی کہ اس نے اب خودکشی کی کوشش کی تو اس کے بچوں کو قتل کردیا جائے گا۔ اس دھمکی کے بعد قلوپطرہ مجبور ہوگئی کہ خودکشی سے باز رہے۔ ورنہ کوئی مرنا چاہے تو دوسرا کہاں تک روک سکتا ہے۔

اس اثنا میں آکٹوین کے حکم پر انتونی کی لاش آخری رسومات کے لیے تیار کردی گئی۔ سوائے آکٹوین اور اس کے چند حواریوں کے سب ہی انتونی کی موت پر غمزدہ تھے۔ رومی افسروں نے مطالبہ کیا کہ لاش ان کے حوالے کی جائے مگر آکٹوین یہ بات کہاں برداشت کرنے والا تھا۔ اس نے بظاہر قلوپطرہ کی درخواست پر جنازہ اس کے حوالے کردیا۔ اگلی صبح جب سورج طلوع ہوا تو اس کی کرنوں نے اس ملک کی ملکہ کو تباہ حالوں میں پاپیادہ اپنے شوہر کے جنازے کے پیچھے جاتے دیکھا۔ دو کنیزوں نے سہارا نہ دے رکھا ہوتا تو قلوپطرہ سے دو قدم چلنا بھی محال تھا۔ انتونی کو اسی مقبرے میں دفن کیا جو قلوپطرہ نے اپنے لیے بنوا رکھا تھا۔

انتونی کو دفنا کر قلوپطرہ یوں آئی جیسے اپنی تمام آرزوئیں و حسرتیں قبر میں اتار کر آرہی ہے مگر ایک ذرا سی امید باقی تھی کہ شاید آکٹوین اس کی بات مان لے اور مصر کا تاج و تخت سیزارین کو بخش دے۔ حالانکہ آکٹوین کے وعدوں میں سوائے مکاری کے کچھ نہیں تھا۔ وہ صرف اس فکر میں تھا کہ ملکہ کو زندہ سلامت روم لے جائے اور جشن فتح میں اس کی نمائش کرے۔ کیونکہ جس وقت آکٹوین قلوپطرہ سے وعدہ کررہا تھا کہ اس کی اولاد کے درپے نہیں ہوگا۔ عین اسی وقت اس کے قاصد برنیس کی طرف رواں تھے تاکہ جس طرح بھی بن پڑے سیزارین کو واپس لائیں۔ تاکہ اس بدنصیب شہزادے کا خاتمہ کرکے مصر کے واحد وارث کو بھی راستے سے ہٹادے۔

قلوپطرہ زخمی تھی۔ انتونی کے ماتم کے زخم بگڑ گئے۔ اوپر سے صدموں سے چور دل۔ وہ بیمار پڑ گئی۔ تیز بخار کے عالم میں کبھی انتونی کو اور کبھی سیزر کو پکارتی۔ کبھی آکٹوین سے سیزارین کی جاں بخشی کی درخواست کرتی اور کبھی سیزارین کو مصر سے بھاگ جانے کو کہتی۔ ہفتے بھر بعد بخار اترا تو اس قدر کمزور ہوگئی تھی کہ بغیر سہارے کے اٹھ بھی نہیں سکتی تھی۔ غذا برائے نام رہ گئی تھی۔ اوپر سے وہ دوائیں بھی نہیں کھا رہی تھی۔ ظاہر ہے مدعا موت کے سوا کیا تھا اور آکٹوین کو یہ منظور نہیں تھا لہٰذا اس نے عیادت کے پردے میں دھمکی بھجوائی کہ ملکہ کی زندگی سے اس کے بچوں کی زندگی مشروط ہے۔ مجبور ملکہ زندہ رہنے کے لیے دوائیں بھی کھانے لگی۔

قلوپطرہ عمر کے اڑتیسویں سال میں تھی جو بیڑہ روم کے خطے میں بھرپور شباب کی عمر سمجھی جاتی ہے اور قلوپطرہ کے حسن میں کیا شبہ تھا۔ بیماری اور کم بختی تقدیر کے باوجود حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ نگرانی پر مامور رومی افسران جان کی پروا کیے اس کے جاں نثار بن جاتے تھے۔ بیماری کی وجہ سے رنگ دب گیا تھا۔ آنکھیں یاس میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ رخساروں پر زردی بکھر گئی تھی۔ سیاہ بال ہمہ وقت بادلوں کے ہالے کی طرح اس کے چاند سے چہرے کے گرد بکھرے رہتے تھے۔ اوپر سے شخصیت کا وقار جو دیکھتا' دیکھتا رہ جاتا۔ آکٹوین اب تک ملکہ سے نہیں ملا تھا اور جب ملنے آیا تو اس امید پر کہ اس کا سامنا دکھوں اور بیماری کی ماری عورت سے ہوگا۔ جس کی خوب صورتی' بدصورتی میں بدل چکی ہوگی لیکن جب ملکہ کے سامنے آیا تو دم بخود رہ گیا۔ اس نے دل میں یقیناً تسلیم کیا ہوگا کہ قلوپطرہ آخر قلوپطرہ ہے۔ کوئی دکھ' غم اور عمر بھی اس کے حسن و جمال میں کمی کرنے میں ناکام رہے تھے۔ وقار و دبدبہ ایسا تھا کہ آکٹوین جیسا فاتح مرعوب ہوگیا۔ وہ اسے صحت یابی کی مبارک دینے آیا تھا۔ جب اس نے استہزائیہ انداز میں ملکہ کو مبارک باد دی تو اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ آکٹوین کا مذاق بے حد سفاکانہ تھا۔ وہ ایسی عورت کو مبارک

بادے رہا تھا۔ جس کا شوہر موت کے گھاٹ اتر گیا تھا۔ ملک اور تاج و تخت چھن چکا تھا۔ دو بچے آکٹوین کے قبضے میں تھے۔ صرف سیزارین اور ہیلوس اس کی دست برد سے باہر تھے۔

جب گفتگو کا آغاز ہوا تو قلوپطرہ عاجزی سے اپنے کیے کی تاویلات اور جواز پیش کرتی رہی۔ اول اول آکٹوین نے نرمی برتی لیکن بعد میں اس کا انداز جارحانہ ہوتا چلا گیا۔ اس نے ملکہ اور انتونی پر الزامات عائد کیے۔ شکست خوردہ ملکہ نے تمام الزامات تسلیم کرلیے اور فاتح سے رحم و کرم کی بھیک مانگی۔ یہ ذلت کی وہ آخری انتہا تھی۔ جس پر قلوپطرہ صرف اپنی اولاد کی بہتری کی وجہ سے تیار ہوئی۔ کچھ بھی سہی وہ ایک شاہی خاندان کی عورت تھی اور آکٹوین محض ایک سردار زادہ۔ اسے جذباتی کرنے کے لیے قلوپطرہ نے اسے سیزر کی تصویر اور اس کے خطوط دکھائے جو اس نے قلوپطرہ کو لکھے تھے مگر آکٹوین ایسی باتوں سے جذباتی ہونے والا نہیں تھا۔ اس نے کسی وعدے سے گریز کیا اور قلوپطرہ کو صرف باتوں سے بہلاتا رہا۔ اس اثنا میں قلوپطرہ نے اسے ذاتی زر و جواہر کی فہرست پیش کی۔ اس موقع پر قلوپطرہ کے ذاتی خادم سیلیوکس نے آکٹوین کو بتایا کہ اس فہرست میں فلاں فلاں زیورات نہیں ہیں جو اس نے مختلف مواقع پر ملکہ کے پاس دیکھے تھے۔ یہ سن کر قلوپطرہ کا طیش سے برا حال ہوگیا۔ اس نے اٹھ کر خادم کو طمانچہ مارا۔

"آج یہ دن بھی دیکھنا تھا۔ ایک نمک حرام میرے منہ پر مجھے جھوٹا کہہ رہا ہے۔" قلوپطرہ چیخ کر بولی پھر آکٹوین سے کہا "یہ زیور میں نے صرف اس وجہ سے الگ رکھ لیے تھے کہ تمہاری بہن اور بیوی کو تحفے میں دے کر ان کی سفارش حاصل کروں۔" آکٹوین جو اس صورتِ حال سے محظوظ ہو رہا تھا اس نے ملکہ کو پکڑ کر بٹھایا اور اسے یقین دلایا کہ وہ اس کے ذاتی زیورات اور خزانے کو چھیڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ وہ خوش تھا کہ ملکہ کے ذہن سے خودکشی کا خیال نکل گیا۔ حالانکہ قلوپطرہ خود جان چکی تھی کہ یہ مجھے زندہ روم لے جاکر میری نمائش کرے گا۔ اس دھوکے باز سے کچھ بعید نہیں ہے کہ میرے بچوں کو بھی نہ چھوڑے۔ اس لیے قلوپطرہ خود اسے اعتماد کا فریب دے رہی تھی اور بظاہر اس کی اطاعت قبول کرچکی تھی۔

غالباً رومی فوج میں انتونی کے ہمدرد ملکہ کو کسی طرح آکٹوین کے اصل عزائم سے آگاہ کرچکے تھے اور یہ بھی کہ سیزارین کے قتل کا قطعی فیصلہ ہوچکا ہے۔ یہ جان کر قلوپطرہ کی آخری آس بھی ٹوٹ گئی تھی اور اس نے جان دینے کا حتمی فیصلہ کرلیا۔ زندہ رہ کر تو زیادہ صدمہ اٹھاتی۔ اپنے بچوں کو اپنے سامنے مرتا دیکھتی اور خود بھی ذلت اٹھاتی۔ خودکشی کا فیصلہ کرتے ہی اس نے آکٹوین سے انتونی کی قبر پر جانے اور مذہبی رسم کرنے کی اجازت چاہی۔ جو اس نے دے دی۔ یہ ۲۹ اگست کا دن تھا۔ قلوپطرہ پہلے انتونی کی قبر پر گئی اور اس سے لپٹ کر روتی رہی۔ شکوے شکایت کرتی رہی پھر واپس آکر حمام تیار کرنے کا حکم دیا۔ پورے اہتمام سے نہائی۔ مشاطاؤں نے سنگار کیا۔ بہترین لباس پہنا' خوشبوؤں اور زیورات سے آراستہ ہوئی۔ اس کے بعد ایک مختصر رقعہ آکٹوین کو بھیجا کہ مجھے انتونی کے پہلو میں دفن کیا جائے۔

خط ملتے ہی آکٹوین کھٹکا اور اس نے فوراً اپنے دو افسروں کو مقبرے کی طرف بھیجا۔ جب وہ اوپری منزل کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے تو قلوپطرہ سامنے مسہری پر پورے شاہی لباس میں مع تاج سوتی نظر آئی۔ مگر یہ ابدی نیند تھی۔ اس کی دو خاص خادماؤں میں سے ایک دم توڑ چکی تھی اور دوسری زندگی کے آخری لمحات میں اپنی ملکہ کا تاج درست کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ رومی افسر حواس باختہ تھے کہ آکٹوین کو کیا جواب دیں گے۔

"یہ کیا کیا تمہاری ملکہ نے؟" انہوں نے لبِ مرگ خادمہ سے پوچھا۔

"وہی جو ایک ۔۔۔ بادشاہ زادی کو زیب دیتا ہے۔" خادمہ نے آخری سانسوں میں کہا اور وہ بھی اپنی ملکہ کے راستے پر چل پڑی۔ پہلے افسروں نے آکٹوین کو اطلاع بھیجی پھر کھوج میں لگ گئے کہ ملکہ اور اس کی خادماؤں نے خودکشی کیونکر کی۔ قلوپطرہ کے بازو پر دو ننھے سوراخ بتا رہے تھے کہ اسے افعی نے کاٹا ہے۔ اس کی پُرسکون موت بھی اس کی نشان دہی کررہی تھی مگر ایک افعی بیک وقت تین آدمیوں کو ڈس کر موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتا۔ اس ننھے سانپ میں اتنا زہر نہیں ہوتا اور نہ ہی خادماؤں کے جسم پر سانپ کے کاٹنے کے نشانات تھے۔ اس کا مطلب تھا انہوں نے کوئی سریع الاثر زہر منہ کے راستے استعمال کیا۔ زہر انہوں نے کہیں چھپا رکھا تھا لیکن سانپ کیسے اندر آیا۔ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایک بوڑھا کسان ملکہ کی نذر کے لیے انجیر کی ٹوکری لایا تھا۔ کمرے میں مٹی کا ایک چھوٹا برتن بھی پایا گیا تھا۔ سانپ یقیناً اسی میں چھپا کر لایا گیا تھا اور برتن انجیر کی ٹوکری میں تھا۔ زہر کی موجودگی کے باوجود قلوپطرہ نے سابقہ تجربے کی وجہ سے افعی کو ترجیح دی تھی اور اس کی خادماؤں نے زہر کھالیا۔

اگلے روز بغیر کسی احتشام و دھوم دھڑکے کے خاموشی سے بطلیموس خاندان کے اس آخری حکمران کو اس کے شوہر

انتونی کے پہلو میں سپردِ خاک کردیا گیا۔ ملکہ کے انتقال کو تیسرا روز تھا کہ اس کا لختِ جگر سیزارین اپنے اتالیق رہوڈس کے بہکاوے میں آکر برنیس سے اسکندریہ پہنچا اور آکٹوین نے اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہوئے فوراً ہی اس بدنصیب نوجوان کو جلاد کے سپرد کردیا۔ یوں مصر کے آخری اور تیسویں شاہی خاندان کا خاتمہ ہوا۔ چار ہزار سال تک مصر ایک آزاد اور خود مختار ملک رہنے کے بعد بالآخر غلام بن گیا اور پھر یہاں کے باشندوں کو دوبارہ اپنی سرزمین پر حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ہمیشہ غیر ملکی اس کی سرزمین پر حکومت کرتے رہے۔

قلوپطرہ کے باقی تین بچے یعنی قلوپطرہ سیلین۔ شہزادہ بطلیموس اور الیگزینڈر ہیلیوس روم بھیج دیے گئے۔ چالاک آکٹوین نے مصر کو ذاتی جاگیر بنانے کا فیصلہ کیا اور اسے رومی مقبوضات میں شامل کرنے کے بجائے براہِ راست اس پر وائسرائے کی مدد سے حکومت کرنے لگا۔ یہ وائسرائے اس نے مصر کے مہاپجاری کو بنایا تھا۔ ظاہر کے اس پردے میں وہ مصر کا بادشاہ تھا۔ اسے مصریوں نے تمام القابات کے ساتھ شاہ مصر کا خطاب دیا جو مندروں کی دیواروں پر کندہ تھا۔ بزعم خود مصری' اپنے آپ کو روم کا ماتحت سمجھنے کے بجائے روم کو اپنے بادشاہ کے زیرِ قبضہ ملک سمجھتے تھے۔

یوں وہ خواب جو قلوپطرہ نے سیزر کو دکھایا اور اس کے بعد انتونی کے ذریعے اس کی تعبیر کے لیے کوشاں رہی اور بالآخر حسرتِ ناتمام لے کر دنیا سے انتونی کے ساتھ ہی رخصت ہوئی لیکن مصر اور روم کو ملا کر عالمی حکومت کا منصوبہ زندہ رہا اور اسے آکٹوین نے مکمل کیا۔ اس نے مصر کے خزانوں پر مع ملکہ کے ذاتی خزانے کے قبضہ کرلیا۔ مالیے کا انتظام کچھ اس طرح کیا کہ دولت مصر سے روم کی طرف بہنے لگی۔ مالیے کا بڑا حصہ ویسے ہی روم چلا جاتا اور باقی ماندہ مصر میں موجود رومی بیوروکریسی کے اعلےٰ تلے میں خرچ ہوجاتا۔ تعمیر و ترقی کے کام رکے تو مصر کے اہلِ فنون و ہنر نے روم کی طرف ہجرت شروع کردی۔ نتیجے میں سادہ رومی تہذیب رفتہ رفتہ مصری رنگ میں رنگتی چلی گئی۔ دسترخوان سے لے کر فنِ تعمیر تک مصری انداز روم پر چھا گیا۔ اس کی شان و شوکت اور نزاکتوں نے رومنوں کو اسیر کرنا شروع کردیا تھا۔ محض چند عشروں میں گزشتہ رومی تہذیب صرف قصے کہانیوں میں رہ گئی۔

آکٹوین فاتحانہ روم واپس آیا تو اہلِ روم زبان سے نہ سہی دل سے اسے بادشاہ تسلیم کرچکے تھے۔ اسے آگسٹس کا خطاب دیا گیا جو شہنشاہ کے مترادف ہے۔ وہ عملاً روم کا شہنشاہ بن چکا تھا۔ افسوس کہ جب سیزر جیسے عظیم جرنیل نے بادشاہ بننے کی کوشش کی تو ان لوگوں نے اسے مار ڈالا جن پر اس کے بے شمار احسانات تھے اور اب یہی رومی آکٹوین المعروف آگسٹس کو قدم بقدم شہنشاہیت کی طرف بڑھتے دیکھ رہے تھے اور مُہر بہ لب تھے۔ آکٹوین نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ہر اس فرد کو مروانا شروع کردیا جو اسے اپنی راہ میں ذرا بھی رکاوٹ محسوس ہوا تھا۔

قلوپطرہ کے تینوں بچے اور انتونی کا فلویا کے بطن سے ہونے والا بیٹا انتیلس آکٹوین نے اپنی بہن آکٹویا کے سپرد کردیے۔ جس نے کمال شفقت اور پیار سے ان بچوں کو پالا۔ خود آکٹویا کے انتونی سے دو بچے تھے۔ ان چھ بچوں کے ساتھ اس نے یکساں سلوک کیا۔ قلوپطرہ کے بچوں کو زندہ چھوڑ دینے میں یہ رمز تھا کہ اہلِ مصر برہم نہ ہوں۔ قلوپطرہ سیلین کی شادی شاہ نومیڈیا سے ہوئی اور ان کے دو بیٹے ہوئے جنہیں بطلیموس کے نام دیے گئے اور یہ دونوں کیلی گولا کے ہاتھوں مارے گئے۔ ستم ظریفی دیکھیے یہ شخص بھی انتونی کی نسل سے تھا۔ تاریخ الیگزینڈر' ہیلوس اور بطلیموس سولہ کے انجام کے بارے میں خاموش ہے۔ غالباً یہ بھی خاموشی سے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے۔ البتہ انتیلس کو آکٹوین کی بیٹی جولیا سے ناجائز تعلق کی پاداش میں قتل کردیا گیا اور خود جولیا کو جلاوطن کردیا گیا۔ آکٹوین نے شاہی تاج پہنا اور مرتے وقت اپنے بیٹے ٹائی بیریس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ کس قدر عبرت کا مقام ہے۔ سیزر اور انتونی جیسے باصلاحیت اور عظیم جرنیل بے بسی کے عالم میں قتل ہوئے اور آکٹوین جیسا کم ظرف اور بدفطرت شخص طبعی عمر پوری کرکے فوت ہوا۔

حرفِ آخر کے طور پر، متعصب رومی اور یورپی مؤرخوں نے اپنے حکمرانوں کی خوشنودی کے لیے اس بلند حوصلہ عورت کے خلاف جو بے ہودہ اور گندے افسانے تراشے' ان میں آٹے میں نمک جتنی سچائی بھی نہیں ہے۔ اس کی رنگین راتوں اور عیش پسندی کی داستانیں من گھڑت ہیں اور مزے کی بات ہے یہ افسانے گھڑنے والے وہ لوگ ہیں جن کے اپنے گھروں میں اتنی گند تھی کہ بقول پلوٹارک" روم کے شریف خاندان کی عورتوں نے وہ بے حیائی دکھائی کہ پیشہ کرنے والیوں کو مندی کی شکایت ہونے لگی۔" ان مؤرخوں پر دوسروں کی آنکھوں میں تنکے تلاش کرنے والی بات صادق آتی ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر یہ نظرانداز کردیتے ہیں۔